HABIBIA ISLAMICUS (The International Journal of Arabic &Islamic Research) (Bi-Annual) Trilingual (Arabic, English, Urdu)
ISSN:2664-4916 (P) 2664-4924 (E)
Home Page: http://habibiaislamicus.com
Approved by HEC in Y Category
Indexing: IRI (AIOU), Australian Islamic Library, ARI, ISI, SIS, Euro pub.
PUBLISHER HABIBIA RESEARCH ACADEMY
Project of **JAMIA HABIBIA INTERNATIONAL,**
Reg. No: KAR No. 2287 Societies Registration Act XXI of 1860 Govt. of Sindh, Pakistan.
Website: www.habibia.edu.pk,
This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.

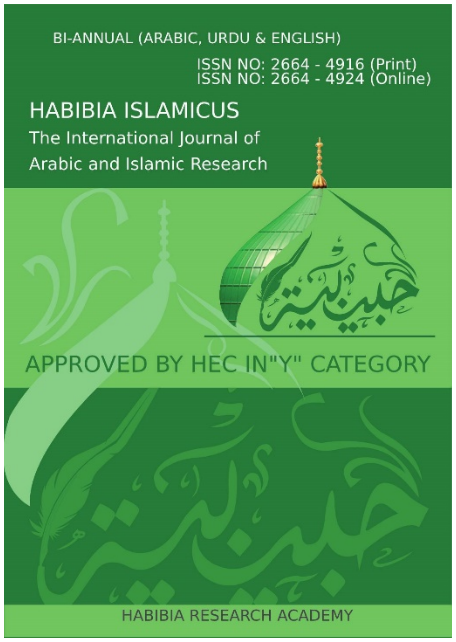

TOPIC:

CULTURAL BACKGROUND OF ISLAMIC ARCHITECTURE: A BRIEF OVERVIEW

اسلامی فن تعمیر کا تہذیبی پس منظر: ایک مختصر جائزہ

AUTHORS:

1. *Dr. Humera Naz, Asst. Prof. Department of Islamic History, University of Karachi. Email: drhumeranaz@gmail.com , Orcid ID: https://orcid.org/0000-0003-1018-1186*
2. *Erum Aamir, Asst. Prof. National University of Science and Technology (NUST), Email: erum21@hotmail.com , Orcid ID: https://orcid.org/0000-0002-6950-1984*

HOW TO CITE: *Naz, Humera, Aamir, Erum. 2021. "CULTURAL BACKGROUND OF ISLAMIC ARCHITECTURE: A BRIEF OVERVIEW: اسلامی فن تعمیر کا تہذیبی پس منظر: ایک مختصر جائزہ". Habibia Islamicus (The International Journal of Arabic and Islamic Research) 5 (1):87-110. https://doi.org/10.47720/hi.2021.0501u06.*
URL: http://habibiaislamicus.com/index.php/hirj/article/view/178
Vol. 5, No.1 || January –March 2021 || P. 87-110
Published online: 2021-12-10

QR CODE

CULTURAL BACKGROUND OF ISLAMIC ARCHITECTURE: A BRIEF OVERVIEW

اسلامی فن تعمیر کا تہذیبی پس منظر: ایک مختصر جائزہ

Humera Naz, Erum Aamir

ABSTRACT
There is no doubt that there is no corner of civilization in which Muslims have not made significant progress. But most of his accomplishments are reflected in the architecture and its supporting arts. The one and a half thousand year history of Islam is in fact the history of the rise of Islamic architecture. Muslims decorated a large part of the world with beautiful buildings in different periods of their rule. Thus, at different times, Islamic architecture took different forms. Among them, there is diversity due to the differences in the country and the buildings, which is due to the climate, environment and construction issues of this country. But despite this, there is unity and continuity in Islamic architecture. This is a feature of Islamic civilization. In spite of their diversity, Islamic civilization has allowed fusion in all of them, which we call Islamic colors. And the basic element of this unity was the Islamic faith which united the different nations in this one faith. Due to which, whatever religious buildings are built in any part of the world in the future, they are all the same, which was not affected by time and distance. Every building has its own uniqueness. These Islamic buildings have a deep Muslim imprint. This is due to the architectural style and decorative carvings of these buildings and these carvings have a spiritual aspect which has its own distinct identity of Islamic architecture. At the same time, it is a valuable asset that still reflects Islamic civilization. In our article, we have examined this unity of Islamic architecture in a cultural context.
KEYWORDS: *Islamic Art, Architecture, Culture, Civilization.*

تاریخ سے غیر معمولی شغف رکھنے والوں کے لیے پرانے تہذیبی آثار و باقیات ہمیشہ سے اپنی توجہ مبذول کراتے رہے ہیں۔ خصوصاً اسلامی دنیا کے وہ ممالک جہاں اسلامی تاریخ کے نقوش گہرے ہیں۔ جیسے عرب، شام، مصر، ایران، ترکی، شمالی افریقہ اور وسط ایشیا کے وہ ممالک جو اسلامی ثقافت، آرٹ اور فن تعمیر کے شاندار مراکز رہے ہیں۔ اس کے علاوہ اندلس اور ہندوستان جہاں مسلمانوں نے طویل عرصے حکمرانی کی۔ یہاں ان کا چھوڑا ہوا تہذیبی سرمایہ ان کی یادگار عمارتوں کی شکل میں آج بھی شاندار تہذیبی ورثہ کی عکاسی کرتا ہے۔ یہاں مسلم معماروں کی تعمیر کی ہوئی عبادت گاہیں (مساجد) محلات، قلعے، برجیاں سرائے، ڈھکے ہوئے بازار، اجتماعی حمام، باغیچے جو گذشتہ اسلامی تمدن کی یاد دلاتے ہیں۔ اگرچہ ان کے ڈائزین سادہ ہیں۔ مگر ان میں انجینئرنگ کے کمال دکھائے گئے ہیں جس میں مسلمانوں کو مہارت حاصل تھی۔ ہمارے قوم کے اسلاف نے انہی علم ریاضی اور ہندسئہ کے ٹھوس اصولوں پر دنیا کے ایک بڑے حصے پر عمارتوں کی تعمیر سے ایک آن بان اور شان وشوکت عطا کی۔ آج بھی اس بات کے گواوہ عمارتیں ہیں جو حوادث زمانہ کے تھپیڑوں سے محفوظ و مامون چلی آرہی ہیں۔ جس کی وجہ

بلکہ یہ یادگار عمارتیں مسلم ثقافت کی پہچان اور انفرادیت کی آئینہ دار ہیں۔ اگرچہ ان قدیم عمارتوں میں جو مختلف زمانوں اور مختلف ممالک میں تعمیر کی گئی تھیں ان کے ڈھانچہ اور ھیکل پر مقامی تہذیب وثقافت کا اثر نمایاں طور پر پایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ان کی بناوٹ اور شکل و صورت پر وہاں کی آب وہوا، زمین کی ساخت، اور قطعہ زمین کا رقبہ بھی اہم اثرات مرتب کرتے نظر آتے ہیں۔(1) جس کی وجہ سے ان عمارتوں میں تضاد (تنوع) نمایاں ہے۔ لیکن اسلامی تہذیب نے ان سب میں امتزاج کو روا رکھا۔ چونکہ اسلامی تہذیب کسی علاقائی تہذیب کا نام نہیں بلکہ یہ ایک عالمگیر تہذیب ہے۔ جو قید مقام ومکاں سے آزاد ہے اور اس تہذیب کی اپنی خصوصیت یہ ہے کہ یہ ہر علاقائی تہذیب پر اپنا نقش اس طرح بٹھاتی ہے کہ صالح قسم کا خام مواد کو اپنا بنا کر صریحاً غیر اسلامی عناصر کو ترک کر دیتی ہے۔ یہ عمل ہر جگہ ہوا۔ لیکن اس عمل کے باوجود ایک نقش مشترک بھی ہے جو ہر جگہ موجود ہے اور سرسری نظروں سے بھی دیکھا جاسکتا ہے۔ غرض یہ نقش وحدت ہے جس کو ہم اسلامی رنگ بھی کہتے ہیں۔ جو کاشغر سے اندلس اور ہندوستان تک تنوع کے اندر یکسانی اور یک رنگی کا واضح احساس لیے ہوئے ہے جس کا مشاہدہ مسلمانوں کی تعمیرات کو دیکھ کر بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ گویا کثرت میں وحدت اسلامی تہذیب کا خاصا ہے۔ مقالہ ھذا میں نقش وحدت کا رنگ جو ہر جگہ کی اسلامی عمارتوں میں نظر آتا ہے اور یہی اسلامی فن تعمیر کی پہچان اور انفرادیت کی علامت ہے۔ اس کی روشنی میں ہم نے اسلامی فن تعمیر کا مطالعہ تہذیبی پس منظر میں پیش کرنے کی سعی وکاوش کی ہے۔

اسلامی فنِ تعمیر مختلف ملی اکائیوں کی سعی وکاوش ہے: اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلامی فن تعمیر میں یہ وحدت اور انفرادیت کا رنگ جس پر زمانے اور فاصلے کا کوئی اثر نہیں پڑا وہ درحقیقت عقیدہ وحدانیت کا نتیجہ تھا۔ جس نے مسلمانوں کی زندگی میں ایک انقلاب برپا کر دیا تھا۔ اسی اسلام کی روح سے سرشار ہو کر انھوں نے سرزمین عرب سے باہر قدم رکھا اور دنیا کی دو بڑی طاقتوں سے ٹکر لی اور ایک مختصر سے عرصے میں دنیا کے ایک بڑے رقبے پر اپنی حکومت قائم کرلی۔ مسلمانوں کی یہ سلطنت کئی قوموں، ملتوں، کئی مذہبوں اور تہذیبوں کی اکائی پر مشتمل تھی اور ان ملّی اکائیوں کے اشتراک سے جو نئی تہذیب پروان چڑھی وہ بالا آخر منضبط ہو کر اسلامی تہذیب کہلائی۔ یہ تہذیب کئی ملّی اکائیوں پر مشتمل تھی۔ جن میں عرب بھی تھے، شامی اور عراقی بھی، ایرانی، ترک، قبطی، بربر جنھوں نے اسلامی تہذیب کی نشو نما اور اس کے فروغ میں حصّہ لیا۔ ان کا اپنا بھی تہذیبی سرمایہ تھا جو بعد میں مسلمانوں کی مشترکہ میراث بنا۔ اس طرح مسلمان ان ملّی اکائیوں کی تہذیب کے وارث ہوئے۔ قبول اسلام سے پہلے ان اقوام کے درمیان معاندانہ جذبات تھے۔ ان کی معاشرت جدا اور خیالات مختلف تھے اور جو تاریخی، تمدنی اور جغرافیائی اعتبار سے بھی ایک دوسرے سے بالکل مختلف تھیں۔ لیکن اسلام نے انھیں ایک عقیدے سے وابستہ کر دیا۔ جس کے سامنے قومی اور نسلی اختلافات بے معنی ہو کر رہ گئے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام کے دائرے میں داخل ہونے کے بعد ان کا دین ومذہب ایک ہو گیا(2) اس مشترک عقیدے نے جملہ قوموں کو ایک مرکز پر جمع کر دیا۔ لہٰذا ہر مذاہب میں دنیاوی اور مذہبی امور کا جو فرق پایا جاتا ہے وہ اسلام میں مفقود تھا حتی کہ آگے چل کر اس کی مذہبی عمارتیں دنیا کے کسی بھی حصّے میں بنیں وہ سب یکساں ہیں۔(3)

جن لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ ان کے ممالک میں شان دار تہذیبی روایتیں موجود تھیں۔ ان کی عالیشان عمارتیں ان کی فنی ذوق کی شاھد تھیں۔ اس طرح اسلام کے قبضے میں نہ صرف مفتوحہ تہذیبوں کی پیدا کردہ صحیح وسالم موجود عمارتیں اور قدرے برباد عمارتیں ہاتھ آئیں۔ بلکہ مسلمان عربوں نے فن تعمیر کی وہ مہارت اور علم بھی حاصل کر لیا۔ جن کی مفتوحہ قومیں حامل تھیں۔ ان میں رومیوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ جدید انجینئرنگ کی داغ بیل انھوں نے ڈالی اور جو دور ماضی سے ورثہ میں پاتی چلی آ رہی تھیں۔ اس طرح یہ کہا جا سکتا ہے کہ اسلامی فن تعمیر ملی اکائیوں کی سعی وکاوش کا نتیجہ ہے۔ اس سے بعض مستشرقین یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ "فن تعمیر کے میدان میں مسلمانوں کا اپنا کوئی طرز نہیں" (4) بلکہ مسلمانوں کا فن تعمیر گردونواح کی دوسری غیر اسلامی تہذیبوں کے اثرات کا رہین منت ہے اور اس کی مستقل ذاتی حیثیت مشکوک ہے۔ (5) ہمیں ان مستشرقین کے اس مفروضے کی تردید کی ضرورت نہیں، اس لیے کہ بعض دیگر مغربی ماہرین اس کا بطلان کر چکے ہیں اور اسلامی فن تعمیر کے اہم عناصر کو مسلمانوں کی اپنی سعی وکاوش قرار دے چکے ہیں۔ (6) جیسے مشہور مستشرق ارنسٹ ٹاڈ کا کہنا ہے کہ "یہ فن تعمیر اسپین سے لے کر ہندوستان تک کہیں بھی پایا جائے اور خواہ کوئی نئی قوم اسے استعمال کرتی ہو اپنا ایک مخصوص مزاج رکھتا ہے اور یہ مخصوص مزاج یا عمومی خصوصیت نہ صرف مختلف قوموں کے ایک مشترکہ مذہب اور ایک مشترکہ سماجی نظام کو قبول کرنے کا نتیجہ ہے بلکہ دنیائے اسلام کے مختلف علاقوں میں فنی طریقہ کار کے تصورات بلکہ خود صناعوں کے ان تصورات کی اشاعت کے مواقع پیدا ہونے کی مرہون منت ہیں" (7) لہذا اس بیان کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ عربوں کا ابتدائی فن تعمیر ہو یا کوئی بھی فن ہو۔ اس میں دوسری تہذیبوں سے مشابہت یہ ایک فطری عمل ہے۔ اس سے کوئی قوم مستثنیٰ نہیں۔ عرب فاتحین نے ساتویں صدی میں جس علاقے کو مسخر کیا تھا وہاں انھیں دو قدیم تہذیبوں کے باقیات سے دوچار ہونا پڑا۔ جن فوجوں نے شام، مصر، فلسطین کی تسخیر کے لیے شمال کی طرف پیش قدمی کی۔ انھیں یونانیت زدہ (Hellenized) علاقے ملے جن کے روابط عیسائیت کی بدولت یونانی رومی تہذیب کے ساتھ مستحکم تھے۔ انہی علاقوں میں قبۃ الصخرہ (691ء/72ھ) اور جامع دمشق (705ء/89ھ) جیسی ابتدائی عرب عمارتیں اموی دور حکومت میں بنائی گئیں جن کی تعمیر میں ان تہذیبی عناصر کے اثرات نمایاں ہیں۔ جب کہ جنوب میں فارس میں ساسانی طرز تعمیر پھل، پھول رہا تھا۔ جو قدیم ہخامنشی طرز اور متاخر دور کے رومی وبازنطینی عناصر سے مرکب تھا۔ میسوپوٹیمیا سے ترکستان اور افغانستان تک کے علاقے کسرائے ایران کے قلمرو میں شامل تھے، لہذا عرب فاتحین کو ان علاقوں میں ہر طرح کے ماہرین ملے جنہیں اپنے اپنے فن میں مہارت حاصل تھی۔ (8) عربوں نے ان سے سیکھا اور ان سے بیشتر جوناگوں فنون تھے۔ مسلمانوں نے ان سے فائدہ اٹھایا۔ مگر کسی کو بھی پہلی حالت میں قبول نہیں کیا بلکہ مسلم حکمران اپنے مفتوحہ ممالک کے فنون (خواہ ان کا تعلق عمارتوں کے طرز سے ہو یا آرائشی نقش ونگار سے) بخوشی متاثر ہوئے تھے لیکن آرائش وزیبائش کے عناصر یا عمارتوں کی وضع یا طرز ہو، اس طرح قبول کیئے کہ وہ بعض اسلامی فرائض کی بجا آوری میں مخل نہ ہوں اور نئے مسلم معاشرے کی ضرورت سے بھی ہم آہنگ ہوں۔ (9) لہذا اس کی روشنی میں اکثر مغربی

مورخین نے جو نتیجہ نکالا ہے کہ "عربوں کا اپنا کوئی طرز نہیں" بے بنیاد ثابت ہو جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اخذ واستفادے کا یہ عمل صرف عرب مسلمانوں کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ یہ ابتدا سے ہی چلا آرہا ہے۔ اس بات کا اعتراف فرانسیسی ماہر آثار قدیمہ ڈاکٹر گستاؤلی بان نے بھی کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ: "ہر ایک قوم قبل اس کے وہ اپنی ذاتی صنائع قائم کر سکے دوسروں کے طرز سے فائدہ اٹھاتی ہے اور ہر ایک قرن اپنے قرن سابقہ کے ذخیروں سے متمتع ہوتا ہے اور اگر اس میں خود صلاحیت ہے تو اپنا ذخیرہ قرون آیندہ کے لیے چھوڑ دیتا ہے کوئی قوم اس قانون سے نہیں بچی اور یہ آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے کہ کسی قوم کا اس سے بچنا ممکن بھی نہیں۔"(10) پس ان حقائق کے سامنے عربوں کی نسبت یہ نہیں کہا جاسکتا کہ محض اس وجہ سے کہ انہوں نے اپنے ما قبل کی اقوام کے خیالات اخذ کیے تھے، لہذا ان میں کوئی خاص ذاتی صنعت نہ تھی بلکہ کسی بھی قوم کی اصلی ذکاوت اُس سرعت اور مستعدی سے معلوم ہوتی ہے جس سے وہ اس مصالح کو جو اس کے ہاتھ آیا ہے تبدیل کر کے اپنے خیال اور اپنی ضرورتوں کے موافق بنا لیتی اور ایک نئی صنعت ایجاد کر لیتی ہے اس امر میں کوئی قوم عربوں سے سبقت نہیں لے سکی۔ ان کی فطرتی قوتِ اختراع ان کی ابتدائی عمارات ہی سے ظاہر ہے۔ اس کی مثال مسجد قرطبہ ہے۔(11) مزید برآں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ ہر تہذیب اپنا ایک خاص مزاج رکھتی ہے رہی بات اسلامی تہذیب کی تو وہ خاص قسم کے دینی اور مذہبی نظریے کا مظہر تھی اور جس کا ظہور ساتویں صدی عیسوی میں آنحضرت ﷺ کی دعوت اسلام سے ہوا۔ یہ نظریہ دوسروں سے اثر پذیر ہونے کے بجائے شرعی قوانین کا تابع و فرمان تھا۔ لہذا مسلمانوں نے مختلف فنون کو اخذ کرنے کے بعد اپنی مخصوص چھاپ لگا کر ان میں اپنی ذوقی ضروریات اور مخصوص عقائد کے مطابق تبدیلیاں کیں اور اپنی مخصوص چھاپ لگادی۔ یہی تصور عمارتوں کے طرز اور وضع قطع میں بھی کار فرما رہا۔ ان تبدیلیوں کی بدولت فنون وصنائع نے بتدریج ایک ایسا قالب اختیار کر لیا کہ جسے بجا طور پر اسلامی کہا جاسکتا ہے جس کا مظہر خصوصاً اسلامی عہد کی وہ مذہبی عمارتیں ہیں جو اسلامی وحدت کی امتیازی خصوصیت کی حامل ہیں۔(12) الغرض ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اسلام کی آمد دنیائے فن میں ایک عظیم الشان واقعہ تھا خصوصاً تخلیقی اور تعمیری کاموں کے لیئے۔ اسلام دور دراز ملکوں میں جہاں بھی پھیلا وہاں مختلف فنون بالخصوص فن تعمیر میں ایک خاص رنگ اور مزاج پیدا ہو گیا۔ جو خالص اسلامی رنگ تھا اور یہی امتیازی رنگ نہ صرف مختلف فنون بلکہ مسلم فن تعمیر کی پہچان بن گیا۔ جس نے مسلم فن تعمیر کو وحدت بخشی۔ چنانچہ اسلامی دنیا کی عمارتیں جو مختلف زمانوں میں اور مختلف طرز پر تعمیر ہوئیں، ان میں ایک باہمی مشابہت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ متحد الاصل ہیں۔ ان میں جغرافیائی اختلاف تو ہو سکتا ہے لیکن عمارتوں کا مجموعی طرز پر ایک جیسا ہے۔ خاص طور پر مذہبی عمارتیں (مساجد، مدارس وغیرہ) جو دنیا کے کسی بھی حصّے میں بنیں وہ سب یکساں ہیں۔ لہذا اسی تناظر میں اب ہم اس بات کا جائزہ لیں گے کہ اسلامی فنِ تعمیر کی ابتدا مسلمانوں میں کس ضرورت اور مقاصد کے لیے ہوئی۔ اور نیز اسلامی فن تعمیر، مختلف الماخذ ہونے کے باوجود کیوں انفرادی خصوصیت کا حامل رہا ہے۔

اسلامی فن تعمیر کی ابتدا: اس میں کوئی دورائے نہیں کہ اور دوسری بہت سی عمارتوں کی طرح اسلامی دنیا کی عمارتیں دنیا کے کسی بھی حصّے میں

جہاں کہیں تعمیر ہوئیں وہ ایسے مقاصد کی تکمیل کے لیے تعمیر کی گئیں جن کو متعین کہا جاسکتا ہے اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ یہ ضرورت کی پیداوار ہیں۔ اگرچہ عمارتیں بنانے کا طریقہ کار ہر جگہ ہر زمانے میں خارجی حالات کا تابع رہا ہے اور یہ بھی صحیح ہے کہ مختلف زمانوں اور مختلف مقاموں پر فن تعمیر کا علم اور اس کی مہارت مختلف مدارج پر نظر آتے ہیں اوران سے کام لینے کی قوت ہمیشہ تغیر پذیر سیاسی اور معاشی حالات پر منحصر ہوتی ہے یوں انسانی ضروریات کے ان خارجی حالات سے ٹکرانے سے فن تعمیر عالم وجود میں آتا ہے۔(13)اسی طرح اسلامی فن تعمیر کا ابتدائی سبب بھی اُس زبردست مذہبی اور سیاسی انقلاب میں مضمر ہے جو ساتویں صدی کے نصف میں پیش آیا۔ جب کہ مسلمانوں نے بازنطینی سلطنت کے بہت سے صوبوں کو فتح کرلیا اور ایران کے ساسانی خاندان کا بھی خاتمہ کردیا۔ یہ طوفانی فضا ہی تھی کہ جس میں اسلامی فن تعمیر نے جنم لیا۔(14)اگرچہ کہ اوائل عہد اسلامی میں مکے اور مدینے میں کوئی ایسی چیز نہیں تھی جسے فن تعمیر کے نام سے موسوم کیا جاسکے۔ اس وقت ایسی عمارتیں بنانے کا رواج تھا جو زندگی گذارنے کے لیے کافی ہوں۔ یہ عمارتیں رہائشی مقاصد کے لیے بنائی گئیں تھیں۔ جبکہ عرب کے مختلف حصّوں میں فن تعمیر کی ترقی یافتہ روایت موجود تھیں۔ صدیوں سے عرب کے مختلف خطے ترقی یافتہ تہذیب کا گہوارہ رہے تھے(15) لیکن ظہور اسلام کے وقت مکہ اور مدینہ میں فن تعمیر کی کوئی قابل ذکر روایت نہیں ملتی۔ اسلام نے چونکہ مسلمانوں کی زندگی میں بلا کی سادگی پیدا کردی تھی۔ اس وقت مسجدیں عبادت کی غرض سے نمازیوں کی ضرورت کے لیے بنتی تھیں۔ اور سایہ اور خلوت کی بنیادی ضرورت کو ممکن اور سادہ ترین طریقہ اور قابل حصول اشیاء کے ذریعے پورا کیا جاتا تھا۔ مسلمانوں نے اس لیے بھی فن تعمیر میں دلچسپی نہیں لی کہ ان کے سامنے حضور اکرم ﷺ کی عملی زندگی ایک نمونہ تھی آپؐ نے پوری زندگی ایک چھوٹے سے حجرے میں گذاردی۔ ہر طرح کی نمودونمائش اور عیش وعشرت سے گریز کیا۔ آپؐ کی یہ سادگی اور قناعت اسلامی تعلیمات کے عین مطابق تھی اسی لیے آپؐ نے عمارت سازی کے فن جس میں بے جا نمائش ہو سخت ناپسند کیا ہے(16)اس حوالے سے ابن سعد نے آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ "سب سے بدتر چیز جس میں مسلمانوں کا مال صرف ہو وہ تعمیر ہے۔"(17)تعمیرات کے سلسلے میں آنحضرتؐ کے اس رویے کا اثر خلفائے راشدہ پر یہ ہوا کہ انھوں نے مسجدوں کے علاوہ کسی غیر مذہبی(Secular)عمارت کی تعمیر میں ایسی دلچسپی نہیں لی جو فن تعمیر کا اعلیٰ نمونہ ہوتی یہ حضرات بھی آنحضرتؐ کی طرح تعمیر کو فضول خرچی سمجھتے تھے۔(18)پس یہ اسلام کی سادگی کا ہی درس تھا کہ جب مسلمان اپنے وطن سے نکلے اور دفاع کی حیثیت سے دوسرے ممالک میں قدم رکھا تو تب بھی مال ودولت کو حقیر سمجھتے رہے اور اپنے عقیدے اور ایمان کی پاسبانی پر فخر کرتے رہے۔ عمارتوں کی طرف تو انھیں مطلق پروا نہ تھی۔ لیکن جلد ہی انھیں دو ایسی تہذیبوں کا سامنا کرنا پڑا جو ایک دوسرے سے کاملاً مختلف تھیں۔ ان میں ایک (بازنطینی) کا تعلق تو اس علاقے سے تھا جو ایک ہزار سال سے قدیم یونانی اثرات کے ماتحت رہا تھا اور دوسری (ساسانی) کا اس خطے سے جو اس سے بھی زیادہ مدت سے ایرانی اثرات قبول کرتا چلا آرہا تھا(19) وہاں عالیشان عمارتیں ان کی فنی ذوق کی شاہد تھیں۔ اب حکمرانوں کو اپنا نظریہ بدلنا پڑا۔ جب دارالخلافہ مدینہ سے دمشق منتقل ہوا

اور بنو امیہ بر سر اقتدار آ گئے تو ان کے سامنے دمشق میں بڑے بڑے کلیساء اور عالی شان مندر تھے۔ لہٰذا فاتحین کے لیے ضروری ہوا کہ وہ بھی بڑی مسجدیں اور ایوان حکومت تعمیر کریں جو بازنطینی کلیساؤں اور خانقاہوں سے زیادہ شاندار ہوں۔ اب مٹی کی دیواروں اور دھابے (مٹی) کی چھتوں سے کام نہیں چل سکتا تھا۔ اس لیے صحیح معنوں میں دمشق سے اسلامی فن تعمیر کا آغاز ہوا۔ (20) چنانچہ جب مسلمان عربوں نے فن تعمیر کی طرف توجہ کی تو ان کے سامنے شرقی فن تعمیر کے نمونے تھے۔ اس لیے مسلمانوں کی اس عہد کی عمارتیں خاصی تعداد میں ایسی ہیں جن میں عیسائی اور اسلامی طرز کی آمیزش ہے۔ ایران میں جب مسلمانوں نے عمارتیں تعمیر کیں تو ایرانی عربی طرز تعمیر نے جنم لیا جس کا بہترین اظہار اصفہان کی مسجدوں میں ہوا۔ (21) مسلمانوں کو ان مفتوحہ ممالک میں ہر ممکنہ قسم کے صناع اور ایسے ماہر ملے جو عمارتوں کے مرکزی خطوط کو مسلمہ اصولوں پر قائم کرنے میں مہارت رکھتے تھے (22) ابتدا میں مسلمانوں کو اپنی تعمیرات کے لیے ان کاریگروں اور صناع پر انحصار کرنا پڑا جو وہیں کے باشندے تھے یا تعمیر کاری کے مقصد سے دوسرے مفتوحہ علاقوں سے لائے گئے تھے (23) یہ طریقہ تعمیر بازنطینی حکومت میں رائج تھا کہ جو سرکاری عمارتوں کی تعمیر کے لیے بیگار لیتے تھے ملک کے ہر حصے سے معمار ،بیلدار اور مزدور بلائے جاتے تھے جو اپنے فن میں مہارت رکھتے تھے۔ اس طرح یونان، مصر، شام اور ایران کے انجینئر اور کاریگر مہیا کیے جاتے چنانچہ مسلمانوں نے اسی طریقے کو روا رکھا بجز اُن امور کے جو شرعاً ممنوع تھے تعمیر اور آرائش کے تمام مروج طریقے اختیار کیے (24) چنانچہ اسی بناء پر کہا جا سکتا ہے کہ ابتدائی طرز تعمیر خواہ اس کا تعلق عمارتوں کے طرز سے ہو یا آرائشی نقش و نگار، مسلم حکمراں اپنے مفتوحہ ممالک کے فنون سے متاثر ضرور ہوئے تھے لیکن یہ عناصر اس طرح قبول کیے کہ وہ بعض فرائض کی بجا آوری میں مخل نہ ہوں اور نئے مسلم معاشرے کی ضرورت سے بھی ہم آہنگ ہوں (25) چنانچہ اس طرح ابتدا میں اسلامی فن تعمیر کی بنیاد رومیوں اور ایرانیوں کے فن تعمیر پر رکھی گئی۔ عربوں نے ان سے سیکھا اور ان کا طریقہ تعمیر اختیار کیا۔ لیکن سیکھنے کے بعد انھوں نے وہاں کی بعض روایتوں کو اپنایا اور بہت سی روایتوں کو ترک کر کے اپنے مخصوص طرز تعمیر کو فروغ دیا جو ایک مخصوص مزاج رکھتا ہے جو ان کے مذہب کے عین مطابق ہے۔ بلاشبہ یہ طرز تعمیر، عربوں کی فتوحات کے ابتدائی برسوں میں ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ تمام اسلامی ممالک میں اور ہر زمانہ میں مختلف الماخذ ہونے کے باوجود انفرادی خصوصیت کا حامل رہا ہے۔ اس میں ایک ایسی بات ضرور ہے جو اسے فن تعمیر کے دوسرے مکاتب سے ممتاز و ممیز کرتی ہے۔ اس کی اس انفرادی خصوصیت کا ترشح صرف تعمیر ہی سے نہیں بلکہ اس فن سے بھی ہوتا ہے۔ جو تعمیر کاری کی تہذیب کے لیے بروئے کار لایا گیا۔ جہاں تک عمارتوں کی تنظیم کا تعلق ہے تو ابتداء میں مشرقی (بازنطینی و یونانی) اور ایرانی طرز کا اثر معلوم ہوتا ہے اس بناء پر کلیساء یا اس وقت تعمیر ہونے والی مسجد کے درمیان فرق کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔ لیکن جب ان عمارتوں کی نفسیات زیر بحث آتی ہے تو لا محالہ ان میں فرق کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ کیونکہ مسجد کی طرز تعمیر میں نجات، سکون اور پناہ کا تصور مضمر ہے۔ مسجد میں عبادت گذار کے لیے ایک ایسی فضاء مہیا ہوتی ہے، جہاں عبد اور معبود کے درمیان براہ راست روحانی رشتہ قائم ہوتا ہے اور یہاں کی در و دیوار پر ہونے والی

اسلامی آرائش ایک خاص معنوی پہلو رکھتی ہے جو ناظر کے دل و دماغ پر حاوی ہو کر اسے غور و فکر کی دعوت دیتی ہے اور حقیقت کبریٰ کا اعلان کرتی ہے۔ اسی لیے اسلامی فن تعمیر بہر صورت اور بہر لحاظ انفرادیت کا حامل رہا ہے۔(26)

اسلامی فن تعمیر کا معنوی پہلو: تعمیر کاری کے مختلف طریقوں کو وحدت اسلوب عطا کرنے کا کام اور وہ بھی اس طرح کہ ہر طریقے کی انفرادی خصوصیات بر قرار رہیں۔ صرف مذہب اسلام ہی انجام دے سکتا تھا۔ بلاشک و شبہ کہا جاسکتا ہے کہ وہی اصول جس نے مختلف قوموں اور نسلوں کو ایک ہی رشتہ اخوت میں پرو کر انھیں "بنیان مرصوص" بنادیا تھا۔ فن تعمیر کے میدان میں بھی کارفرما رہا ہے۔(27) اسلامی فن تعمیر ہر گوشہ اور ہر پہلو سے مشیت ایزدی کے آگے سر تسلیم خم کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ فن تعمیر میں یہ معنوی پہلو دراصل وہ عقائد و تصورات تھے جو مسلمانوں کے معاشرے کے عقیدے تھے یہ محض عقیدے نہ تھے بلکہ وہ قوانین و ضوابط تھے جن سے معاشرت کے اسالیب متعین ہوئے ان میں خدا کائنات اور انسان سے متعلق مخصوص تصورات پر زور دیا گیا ہے اسی لیے مسلمانوں کے نزدیک کوئی بھی فن ہو اس کا مقصود و مطلوب محض حظ اور مسرت نہیں بلکہ تسخیر ہے۔ جس کا دوسرا نام عبادت ہے۔ اسلام نے جس طرح زندگی کا تصور بدل دیا تھا۔ اسی طرح فن کا تصور بھی بالکل تبدیل کر دیا تھا۔ فن نقالی نہیں بلکہ عمل مطلق ہے جو عمل خیر ابھارتا ہے اور قرب و اتصال وروحانی کا وسیلہ بنتا ہے۔(28) لہٰذا اسی تصور کو لیے مسلم معماروں نے دنیا میں جہاں کہیں بھی عمارتیں تعمیر کیں۔ بالخصوص مذہبی عمارتیں (مساجد، مدارس، خانقاہیں وغیرہ) ان میں ایک وحدت نظر آتی ہے۔ یہ وحدت در حقیقت اسلامی رنگ و سادگی تھی جس نے مسلم فن تعمیر کو پورے عالم میں ایک ہی پہچان بنادیا۔ ابتدائی برسوں میں اس کا یہ موقف آرائش اور حسن کاری کی شکل میں بتدریج نشو و نما پاتا رہا۔ اور بعد کی تعمیرات میں نمایاں ہو کر سامنے آیا(29) اگرچہ یہ صحیح ہے کہ مسلمانوں نے ابتدا میں غیر مسلم صناعوں سے اپنی تعمیرات میں مدد لی۔ لیکن یہ مسلمانوں کا خاصہ ہے کہ جہاں بھی رہے تنہا اور شرکت غیرے سے اپنی جدت طبع سے ہر امر میں خاص تنوع پیدا کیا لہٰذا تعمیرات میں بھی ابتداء میں مسلمانوں نے اپنی عمارتوں کی آرائش و زیبائش کے لیے ایک خاص امتیازی طرز سامنے رکھا۔ جاندار نقوش سے اغراض کر کے مسلمانوں نے ان نقوش و بیل بوٹوں اور پھول پتیاں کا اختراع کیا جو اس سے قبل رائج نہ تھے(30) یہ نقش و نگار اپنے اندر ایک معنوی پہلو رکھتے ہیں۔ اُس وقت عمارتوں کی زیبائش و آرائش میں نقش و نگار اور صورت گری کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔ قدیم تہذیبوں میں پیکر تراشی، حسن کاری کا جزو لاینفک قرار دی جاتی تھی۔ اس طرز فکر کی کارفرمائی قدیم یونانی، رومی، ایرانی، ہندی بلکہ مسیحی کلیساؤں میں بھی نظر آتی ہے مسلمانوں نے بہت جلد اس سے پیچھا چھڑا کر ایک خاص اسلامی آرائش کا استعمال کیا۔ اس پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے گستاؤلی بان کہتے ہیں کہ: "تھوڑے ہی زمانے کے بعد عربوں کی عمارات نے ایک ایسی خاص وضع پیدا کرلی اور ان کی اندرونی آرائش اور گلکاریاں کچھ ایسی خاص وضع پر ترتیب دی گئیں کہ ان میں اور دوسری عمارات میں ایک بین فرق معلوم ہونے لگا۔ یہ ممکن ہے کہ اختلافات ملک کے لحاظ سے آرائشوں اور گلکاریوں کی ترکیب کہیں ایرانی اور کہیں مشرقی اور کہیں ہندی ہو۔ لیکن عمارت کی مجموعی وضع اور اس کے مختلف

حصّوں کا تناسب ایک جیسا ہے۔"(31)غرض اسلامی آرائش میں مسلمانوں کے اعلیٰ ذوق و کمال، ان کی مہارت اور علم ہندسہ کا ثبوت ملتا ہے، جو ان جاندار نقوش کا بدل تھا جو ابتدا میں مسلمان عربوں نے اختیار کیا اور یہی نقوش آج دنیائے فن تعمیر میں متمیز نظر آتے ہیں (32) اس کے لیے خطاطی کے فن کو بے حد فروغ حاصل ہوا جو صحیح معنوں میں اسلامی فن ہے۔ مسلم فن کاروں نے قرآن کی آیات واحادیث کو اس کمال سے نقش کیا کہ خطاطی کی لکیروں کے پیچ وخم سے دیدہ زیب اشکال بنائیں اوران آرائشوں میں اشکال اور کتبوں کے ہم آغوشوں سے کچھ ایسی صورتیں بنائیں کہ جن کا بیان الفاظ میں ممکن نہیں صرف مصّور کا قلم ہی ان کو ادا کر سکتا ہے لہٰذا اس حقیقت سے انکار نہیں کہ ساتویں صدی کے وسط سے تقریباً آٹھ سو سال تک مسلمانوں نے جس طرز تعمیر کو فروغ دیا وہ اپنی الگ ہی پہچان رکھتا ہے ۔اگرچہ کہ ابتداء میں مسلمانوں نے مفتوحہ اقوام سے تعمیر کاری کے جو عناصر مستعار لیے ان کا بیش از بیش استعمال مسجد کی نسبت محل کی تعمیر میں ہوا۔ اس کی غالب وجہ یہ تھی کہ ان قوموں کا طرز تعمیر جس میں پیکر تراشی لازم جزو تھی، ایک ایسے مذہب کی عبادت گاہ کے لیے کلیتاً قابل قبول نہیں ہو سکتا جس کی اساس ہی وحدانیت پر رکھی گئی تھی(33) لہٰذا مسلمانوں نے طرز تعمیر کے ایسے لوازمات جو اسلامی عبادت گاہ کے لیے ناشائستہ تھے ان سے اجتناب برتا۔ اسی بنیاد پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں نے جس طرز تعمیر کو اختیار کیا وہ عیسائی مغرب کے حلقہ اثر سے باہر کی چیز تھی اگر کچھ مماثلت تھی تو محض سرسری سی۔ لیکن مسلمانوں نے بہت جلد اس طرز تعمیر کو چھوڑ کر اپنی ذکاوت، جدت خیالی سے ایک ایسے طرز تعمیر کو فروغ دیا جو عمارتوں کی وضع قطع سے لے کر تعمیری آرائشی نقش و نگار کی بدولت صحیح معنوں میں اسلامی روایات کا آئینہ دار ہے، کوئی شخص فن تعمیر سے کتنا ہی ناواقف کیوں نہ ہو، اسلامی عبادت گاہیں جو دنیا کے کسی بھی حصّے میں بنیں۔ یہ دیکھ کر فوراً پہچان لے گا کہ یہ اسلامی طرز پر مبنی حامل عمارتیں ہیں۔ دراصل یہ باہمی مشابہت ان کے اعتقادات اور نظام سے پیدا ہوتی ہے۔ جسے بہت جلد مسلمانوں نے اپنے خیال اور ضرورتوں کے مطابق بنالیا۔ اوراس پر اپنی ذکاوت کی مہر ثبت کر دی، یہی وجہ ہے کہ اسلامی فن تعمیر میں عربی، ایرانی، ترکی اور ہندی کی تخصیص نہیں، جزئیات میں مقامی اثرات ہوں تو ہوں مگر بحیثیت مجموعی ہر جگہ ایک ہی مسلم طرز کی عمارتیں بنیں۔ جو وحدت اسلوب کی حامل ہیں۔ اور ان عمارتوں پر مسلمانوں کی انفرادیت کی گہری چھاپ ہے اور یہ انفرادیت دراصل مسلمانوں کے طرز تعمیر اور آرائشی نقش و نگار میں نمایاں ہیں جو اسلامی ثقافت کی پہچان بن چکی ہے جس کا جائزہ درجہ ذیل میں لیا گیا ہے۔

اسلامی فن تعمیر میں آرائشی نقش و نگار: ابتدا ہی سے قدیم تہذیبوں میں عبادت گاہوں کی تعمیر میں نقش و نگار اور صورت گری کو خاصی اہمیت حاصل رہی ہے۔ خاص طور پر قدیم تہذیبوں میں پیکر تراشی کو ایک اعتبار سے فن تعمیر کی تہذیب کے لیے ضروری سمجھا گیا۔ اس طرز فکر کی کارفرمائی آج بھی مختلف مذاہب میں نظر آتی ہے۔ جبکہ اسلامی تہذیب جو ایک خاص عقیدے کی حامل ہے۔ اور اس عقیدے کی بنیاد ایک خدا پر ایمان کی وجہ سے ہے جو کسی صورت مادی یا خیالی اظہار کی حدود کا پابند نہیں لہٰذا اس طرز فکر کی اسلام میں کسی طور پر گنجائش

نہیں کیونکہ اسلامی آرائش جو فن کی دنیا میں ایک نیا اضافہ تھا، اسلامی طرز تعمیر کی طرح بحیثیت مجموعی غیر صوری اور لا تمثالی ہے اور ہر اس کیفیت کا سد باب کرتی ہے جو حقیقت کبریٰ کی تلاش میں گمراہ کن ہو سکتی ہے بہ الفاظ دیگر اسلامی آرائش اسلام کی پیوری ٹنزم (Puritanism) کا جواز اور توضیح دونوں ہی کو پیش کرتی ہے(34) لہٰذا اللہ تعالیٰ کی صفت خالقیت کے بارے میں امکان شرک و شائبہ شک کے خلاف بے حد احتیاطیں اختیار کی گئیں۔ چنانچہ اس کے لیے اسلامی فن تعمیر میں عمارت کے ہر حصے کی تعمیر میں مقصدیت ہمیشہ پیش نظر رہی ہے۔ حتیٰ کہ آرائش و زیبائش کو اولیت حاصل ہونے کے باوجود بلا ضرورت کسی بھی آرائشی چیز کا اضافہ نہیں کیا جاتا۔ نقش و نگار واضح ہوتے ہیں۔ بالخصوص مسجد کے ہر حصے کی آرائش سے کوئی نہ کوئی غرض وابستہ ہوتی ہے دراصل یہ اسلامی نقش و نگار ایک خاص معنوی پہلو رکھتے ہیں یہ نقش و نگار سادگی، وسعت اور خوبیوں کی وجہ سے کائنات کو ایک وحدت کے طور پر پیش کرتے ہیں اور یوں انسان کو اس عظیم تر کائنات کا ایک حصہ بنا کر پیش کرتے ہیں۔ غرض مسلمان عربوں کی ریاضیاتی صلاحیتوں نے نقش و نگار میں نئی جہتوں کی تلاش میں بڑی مدد دی اور یوں نقش و نگار کے ایسے نمونے وجود میں آئے جو ہمہ پہلو خوبیوں کے حامل تھے۔(35) چنانچہ مسلمان ماہرین فن تعمیر انسان و حیوان کی تصویر سے قطع نظر عمارتوں کو سجانے اور خوبصورت بنانے کے لیے فن خطاطی، ہندسی اشکال، فرضی بیل بوٹے کی طرف راغب ہوئے اس طرح نقش و نگاری کے فن میں مسلمان فنکاروں کو اپنی ہنرمندی کے جوہر دکھانے کا موقعہ ملا۔ گویا تصویر اور مجسمہ سازی کی مخالفت مسلمانوں کے لیے آرٹ کے دوسرے دروازے کھولنے کا سبب بنی۔ اس کے لیے خواہ عمارت کا ڈھانچہ ہو یا در و دیوار کی آرائش و زیبائش ان میں ھندسی اشکال (Geometrical Design) خطاطی، نباتاتی تصویر کشی کو بنیادی اہمیت حاصل رہی ہے۔ مسلمانوں نے خطاطی، نقاشی اور آرائش میں تجریدی پہلو ایجاد کیا اور اس کے لیے ھندسی اشکال اور خطاطی ہی نے نقش و نگار کو نئے زاویئے فراہم کیے اور یوں یہ فن اپنے عروج کو پہنچا اسلام سے قبل تجریدی فن کا کوئی وجود نہیں تھا (36) اور عربوں سے مخصوص ہو کر یہ فن (Arabesque) زخرفۃ العرب (عربی آرائش کا نام) کہلایا(37) جو ان مسلمان صناعوں کے لیے اپنی صلاحیتوں کے اظہار کا ایک بہت بڑا ذریعہ تھا۔ الغرض عمارتوں کی آرائش کے لیے مختلف طریقے اختیار کیے گئے جیسے دیواروں پر پلاسٹر کر کے ان پر گلکاری کی جاتی، فن تعمیر اور اس کے معاون فنون جیسے پچی کاری، ہندسی اشکال، میناکاری، منبت کاری، سیپ کا کام، کاشی کاری، چوبی نقاشی، خطاطی، کتبات نگاری غرض مختلف طریقوں سے عمارتوں کی آرائش کر کے ان میں خوبصورتی پیدا کی جاتی۔ اگرچہ یہ صحیح ہے کہ اسلامی فن تعمیر میں ابتداء میں مصوّروں اور مجسمہ سازوں کی خدمات حاصل کی گئیں۔ لیکن بعد میں عمارتوں پر جانداروں کی تصویریں اور مجسمے بنانا عام طور پر بند کر دیے گئے اور ان فنون کی جگہ گلکاری اور خاص طور پر خطاطی نے لے لی۔ پھر اس فن میں مسلمانوں نے وہ مہارت حاصل کی کہ جو کسی اور قوم کو نصیب نہ ہو سکی۔ اب ہم بر سبیل اختصار اُن آرائشی عناصر اور آرائش کے مختلف طریقوں کو بیان کریں گے جنھوں نے اسلامی فن تعمیر کو انفرادیت بخشی اور جو اسلامی فن تعمیر کی اپنی شناخت بن چکی ہیں۔

تعمیر و آرائش کے عناصر: اینٹوں اور گچ (Stucco work) سے آرائش: ابتداہی سے مسلمان فن کاروں میں عمارتوں کو مختلف طریقوں سے سجانے اور خوبصورت بنانے کا رجحان رہا ہے چنانچہ درو دیوار کی آرائش کے لیے مسلمانوں نے ہر دور میں کسی بھی علاقے میں دستیاب ہر اس شے کو استعمال کیا جو استعمال ہو سکتی تھیں اور دستیاب تھیں مثلاً اینٹیں، لکڑی، مصنوعی مسالہ غرض ہر اُس ذریعہ تعمیر سے استفادہ کیا گیا۔ آرائش کے سلسلے میں بھی ان ذرائع کا بھرپور استعمال کیا گیا۔ مثلاً اینٹوں کا استعمال صرف عمارت کا ڈھانچہ بنانے کے لیے ہی استعمال نہیں کیا۔ بلکہ عمارتوں کی آرائش کے لیے بھی اینٹیں استعمال کی گئیں۔ مثلاً عمارتوں میں اینٹوں کے پرت اس طرح بنائے گئے کہ اس سے مختلف ہندسی اشکال نے جنم لیا۔ اس کے لیے عمارتوں میں اینٹوں سے پر پیچ و خم سیدھی لکیریں بنائی جاتیں۔ گنبدوں اور میناروں کی گولائیوں کی سطح کاری کے لیے بھی اینٹوں کا استعمال کیا جاتا۔(38) معمولی اینٹوں پر بھی عمدہ نقش و نگار بنائے جاتے جبکہ آرائشی اینٹیں مٹی کی بنی ہوئی بھورے رنگ کی ہوتی تھیں لیکن ایسی اینٹیں بھی استعمال کی جاتیں جو مختلف رنگوں میں بنائی جاتی تھیں۔ اینٹوں پر خاص مسالہ چڑھا کر انھیں چمکدار اور ہموار بنایا جاتا تھا(39) سب سے پہلے اندلس کے مسلمانوں نے آرائش کے لیے میناکار اینٹوں کا استعمال کیا جو دسویں صدی میں شروع ہوا۔ ان کی بنائی ہوئی اینٹیں تمام دنیا میں جاتی تھیں بلکہ اطالیہ نے مسلمانوں سے ہی ان میناکار اینٹوں کو بنانا سیکھا۔ الحمراء میں ان مینا کار اینٹوں کی بے نظیر استر کاری دیکھی جا سکتی ہے۔ اگرچہ کہ وہ زمانے کے دست و برد سے کافی دھندلا چکی ہے۔ لیکن پھر بھی ان کی آرائش کسی حد تک باقی ہے۔(40) جہاں پتھروں کی کمی تھی وہاں گچ کے استر سے نقاشی کی گئی۔ عباسی دور میں گچ اور استر کاری پر نقش و نگار بنائے جاتے تھے اس کے لیے دیوار پر استر کاری کے بعد یہ سانچے رکھ کر مسالے کو اس طرح دبایا جاتا کہ سانچے کے نقش و نگار مسالے پر اُتر آتے۔ اس طرح بہت خوبصورت اور بہت کم محنت سے نقش و نگار بن جاتے یہ طرز ساسانی عہد کی یادگار تھا عہد امویہ سے جب اسلامی فن تعمیر کا صحیح معنوں میں آغاز ہوا تو اموی حکمرانوں کے عہد سے شام، دمشق، اردن کی عمارتوں میں استر کاری کے اس طریقے کو دیواروں اور چھتوں پر اسٹکو آرائشی کوٹنگ کے لیے استعمال کیا جانے لگا۔ اس طرح عہد امویہ کے بعد کی اسلامی عمارتوں کی آرائش کا یہ اہم طریقہ رائج ہو گیا۔ جو دیواروں، دروازوں اور محرابوں کے حاشیوں اور میناروں وغیرہ کی خطاطی کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔(41)

آرائشی طاقچے: مسلمانوں کو سادہ اور خالی دیواریں تو کجا، عمارت کے کسی بھی حصے کی خالی سطح اور کونوں تک کو پسند نہیں کرتے تھے۔ مسلمان عربوں نے خالی سطح کو پُر کرنے کے لیے آویزے ایجاد کیئے جن کی صورت مثلث کروی کی سی ہوتی تھی۔ گویا آویزاں کی ایجاد بھی خالص مسلمانوں کی ہے اور ان طاقوں اور آویزے کا استعمال پہلی بار جزیرہ صقلیہ میں دسویں اور گیارھویں صدی عیسوی میں پایا جاتا ہے۔ ان طاقوں کے بارے میں ڈاکٹر گستاؤلی بان کہتے ہیں کہ: ”دیواروں کے گوشوں اور زاویہ قائمہ کو خالی نہ رکھنے کی غرض سے اور مربع حجروں اور

تھی۔ ان طاقوں کا نام اصطلاح میں "آویزہ" رکھا گیا۔ کیونکہ یہ گویا خالی جگہ پر آویزاں ہیں اور چونکہ یہ طاق باقاعدہ اور یکساں بنے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ ان کے اندر بتدریج آرائش بڑھائی گئی۔ جن کی اخیر صورت وہ ہوگئی جو قلمی آرائش کے نام سے مشہور ہے اور جو شکل میں شہد کی مکھی کے چھتے سے مشابہ ہے۔"(42) مزید برآں ان کا کہنا ہے کہ: "طاقوں میں قلمی آرائشوں کا استعمال کرنا خالص عربوں کی طرز ہے اور اُس وقت تک کسی اور قوم کی تعمیر میں یہ ایجاد نہیں پائی گئی۔ بارھویں صدی عیسوی کے بعد سے یہ طرز آرائش کل اسلامی ممالک میں پھیل گئی۔ یہ آرائش میناروں کے کٹہروں کے نیچے جہاں ان کے اور دیواروں کے تقاطع سے قائمہ زوایے بنتے تھے بنائی جاتی تھی۔ مساجد کی محرابی چھتوں میں ان مقامات پر جہاں چھتیں دیواروں سے ملتی ہیں۔ مربع عمارات کے گنبدوں کے نیچے اور اسی قسم کے اور خالی مقامات میں اس آرائش کا استعمال ہوتا تھا۔"(43) غرض آرائش کے لیے ان طاقوں کا کثرت سے استعمال کرنا خاص عربی طرز کی خصوصیات میں سے ہے۔ جہاں کہیں بھی انھوں نے عمارتیں تعمیر کیں، وہیں ان کا استعمال بکثرتِ نظر آتا ہے جو ان کی جدت طرازی اور ان کے صنعتی مذاق کو ثابت کرتا ہے تو وہیں یہ مسلم فن تعمیر کو دیگر مذاہب کے طرز تعمیر سے ایک الگ انفرادی مقام عطا کرتا ہے۔

ھندسی اشکال(44) کی آرائش (Geometrical pattern): مسلم فن تعمیر میں خواہ عمارت کا ڈھانچہ اور ھیکل ہو یا درو دیوار کی آرائش وزیبائش ہو اس میں ھندسی اشکال اور نباتاتی تصویر کشی کو اساسی حیثیت حاصل رہی ہے۔ اسلام میں جانداروں کے مجسمے اور تصویریں بنانے کی ممانعت کی وجہ سے مسلمان معماروں نے جانداروں کی تصویروں کی بجائے ہندسی اشکال کی آرائش پر توجہ کی اور اس فن میں ایسی مہارت حاصل کی کہ کوئی قوم اس فن میں ان کے مدمقابل نہ آسکی(45) اندلس کے مسلم ماہر فن تعمیر نے عمارتوں کی تعمیر میں اور آرائش میں علوم ہندسہ والجبراء اور جیومیٹری کا بھرپور استعمال کیا۔ اس حوالے سے اسکاٹ لکھتا ہے کہ "اندلس کے عربوں نے ریاضی کو زیادہ اہم جانا اور انھیں اس میں غیر معمولی مہارت حاصل تھی۔ انھوں نے اپنی عمارتوں کی تعمیر میں اس سے بہت کام لیا۔ بلکہ یہ بات پایہ تصدیق کو پہنچ چکی ہے کہ اندلس کے کئی شہروں کی درس گاہوں میں ہندسہ اور الجبراء کے ساتھ انجینئرنگ یعنی نقشہ کشی اور عمارتیں بنانے کی عملی تعلیم دی جاتی تھی۔"(46) اگرچہ کہ ہندسی اشکال کا یہ فن ظہور اسلام کے تقریباً دو سو سال بعد یعنی ساتویں صدی عیسوی کے اواخر میں وجود میں آیا اور دو صدیوں تک ارتقاء پذیر رہا اور پھر یہ ترقی یافتہ شکل میں اندلس کی عمارتوں کی آرائش میں نظر آتا ہے۔ ہندسی شکال کا پہلی بار استعمال مسجد الحاکم (فاطمی دور 990ء) میں ہوا ہے۔ اس عمارت میں اس فن کے اظہار کے لیے پتھروں کو تراشا گیا۔ ابتدا میں چار کونوں والے ستارے بنائے گئے پھر یہ چھے، آٹھ اور آخر میں دس کونوں والے بنائے جانے لگے۔ ہندسی اشکال کی آرائش لکڑی، پتھروں اور اسٹکوں پر کی جاتی تھی۔ اس آرائش میں ہندسی اشکال کی تمام ممکنہ صورتیں نظر آتی ہیں۔ درآں حالیکہ شش پہلو اور ہشت پہلو ہندسی اشکال بنانا مشکل ہے۔ لیکن عربوں کو اس میں مہارت حاصل تھی۔(47) اس کے علاوہ آرائشی مقاصد کے لیے ھندسی اشکال ہمیں خطاطی اور نقش ونگار میں

بھی جلوہ گر نظر آتی ہے۔ مساجد ہوں یا مدارس، خانقاہیں ہوں یا مقابر، یہاں تک کہ محلات اور دیگر عمارتوں کے در و دیوار یا مقابر یہاں تک کہ محلات اور دیگر عمارتوں کے در و دیوار پر خطاطی کے جو فن پارے نظر آتے ہیں وہ بے ساختہ داد و تحسین پر مجبور کرتے ہیں۔ دراصل وہ انہی ھندسی اشکال کی مرھون منت ہیں۔ مسلمانوں کی تعمیر کردہ شاید ہی کوئی ایسی عمارت ہو۔ جس پر قرآنی آیات، احادیث، دعائیں، اقوال زریں، ضرب الامثال یا عربی وفارسی کے دیگر زبان زد عام کلمات یا اشعار تحریر نہ ہوں جو ھندسی اشکال کی مرہون منت ہوتی تھیں۔ اور یہ عبارتیں خوبصورت بیل بوٹوں کے حاشیوں سے مزین مربع، مستطیل، دائرہ اور مثلث چوکھٹوں میں بڑی خوبصورتی کے ساتھ خوشنما رنگوں سے تحریر کی جاتی تھیں۔ (48) غرض ان ھندسی اشکال کے فن نے اہل نظر سے بے ساختہ داد تحسین حاصل کی اور صدیاں گذر جانے کے باوجود بھی ان کی تابندگی باقی ہے۔ اگرچہ کہ بعض اوقات ھندسی اشکال کی پیروی میں فنی اعتبار سے بعض اغلاط بھی رہ جاتی تھیں مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ ہنرمندوں کی مہارت اور رنگوں کی خوشنما آمیزش کی بناء پر عموماً شاید ہی ان کی طرف کسی کی توجہ مبذول ہوتی ہو گی۔

پچی کاری (49)(Mosaic) کا کام: ظہور اسلام سے قبل یونان، روم، شام اور مصر میں یہ فن عام تھا۔ ابتدا میں رومی، شام کے مسلمانوں کو پچی کاری اور فن تعمیر کے ماہرین مہیا کرتے تھے۔ انہی لوگوں سے مسلمانوں نے یہ فن سیکھا۔ یونان کے گرجوں، قسطنطنیہ کی آیا صوفیہ (قسطنطنیہ کا کلیساء جو فتح قسطنطنیہ کے بعد آیا صوفیہ کے نام سے مسجد میں تبدیل کر دیا گیا) اور بیت المقدس کی مسجد قبۃ الصخرہ اور قاہرہ کی مختلف مسجدوں میں پچی کاری کا کام موجود ہے۔ (50) لیکن علی الخصوص مسجد قبۃ الصخرہ کے گنبد پر انواع واقسام کی رنگ آمیزیاں پچکاریاں اور پیچیدہ گلکاریاں ہیں جو عربی صنعت کے خواص میں سے ہیں۔ جو ایک دوسرے سے ہم آغوش ہو رہی ہیں (51) جس کا کوئی جواب نہیں۔ یہ گنبد 1022ء میں جو عربی صنعت کی اعلیٰ ترقی کا زمانہ ہے اسی زمانہ میں یہ دوبارہ تعمیر ہوا تھا اور اسی وجہ سے اس گنبد کی اندرونی آرائش نہایت عمدہ ہے۔ مسلمانوں کی پچی کاری کا ایک اور بہترین نمونہ اُس حمام کا فرش ہے جو خربۃ المفجر (اموی خلیفہ ولید بن عبد الملک کا صحرائی محل) میں بنا ہوا ہے۔ یہ عمارت اگرچہ زمین میں دب گئی تھی لیکن بیسویں صدی کے شروع میں کھود کر نکالی گئی۔ (52)

گو کہ اسلامی فن تعمیر کے ابتدائی عہد میں مسلموں اور غیر مسلموں کی عمارتوں میں پچی کاری کا کام تقریباً ایک ہی انداز کا ہے۔ پتھر کو کھود کر اُس میں رنگین شیشے اور پتھر بھرے گئے ہیں۔ اس پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے گستاؤلی بان نے لکھا ہے کہ: ”وہ پچی کاری جو میں نے یونان وروم وشام ومصر میں دیکھی اور جو نمونے اتھینس کے مشرقی گرجوں اور قسطنطنیہ کی آیا صوفیہ میں اور بیت المقدس کی مسجد حضرت عمرؓ اور مختلف مساجد قاہرہ میں میری نظر سے گذرے ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے کہ ان سب کا کام یکساں ہے۔“ (53) مزید بر آں وہ آگے لکھتے ہیں: ”اگرچہ کہ پچی کاری کا یہ فن بازنطینی ویونانی (مشرقیوں) سے مسلمان عربوں نے لیا۔ لیکن تھوڑے ہی دنوں میں بہت کچھ

تبدیلی کی۔ مسلمان عربوں میں دو قسم کی پچی کاری مروج تھی۔ ایک تو وہ جو فرش اور دیواروں کے لیے مستعمل تھی اور سنگ مرمر کے ٹکڑوں اور چھوٹی بڑی مختلف رنگوں کی میناکار اینٹوں سے بنتی تھی اور دوسری وہ جو دیواروں پر اور علی الخصوص محراب کی دیواروں پر جمائی جاتی تھی۔ یہ اخیر قسم کی دست کاری مشرقی طرز کی ہے۔(54) غرضیکہ پچی کاری کے کام میں مسلمانوں نے بہت جلد وہ مہارت حاصل کرلی۔ جو عربی صنعت کے خواص میں شامل ہے۔ بلکہ بعد کے عہد میں ترکوں اور اس کے بعد مغلوں نے بھی بالخصوص شاہجہانی دور میں پچی کاری کے کام میں وہ نفاست حاصل کی جس کا جواب نہیں ملتا۔ اور جو کوئی بھی ان عمارتوں کو دیکھتا ہے تو حیرت زدہ رہ جاتا ہے۔

کاشی کاری(55)(Tiling): عمارتوں کی آرائش کے لیے مختلف رنگوں میں چمکتے ہوئے چوکور Tiles کا استعمال اسلامی فن تعمیر میں بہت عام ہے۔ یہ مختلف رنگ میں ہوتے تھے۔ لیکن عام طور پر زرد، سبز، سرخ رنگ کے چوکے بہت زیادہ استعمال کیے جاتے تھے۔ یہ ٹائلز ضرورت کے مطابق مختلف سائز کے ہوتے تھے دیواروں، گنبدوں اور میناروں وغیرہ کی آرائش کے لیے یہ ٹائلز استعمال کیے جاتے تھے۔ کاشی کاری کا یہ فن اسلامی فن تعمیر سے پہلے اشور اور بابل کے کئی شہروں میں عرصہ دراز سے رائج تھا۔(56) جبکہ مسلمانوں میں سب سے پہلے اموی دور میں یروشلم میں گنبد صخرا میں ٹائل کا استعمال کیا گیا۔ خلفائے عباسیہ کے عہد میں اس فن کو بہت عروج حاصل ہوا۔ اور اندلس کے معماروں نے ٹائلز بنانے اور لگانے کے فن میں جو ترقی کی اس کی گواہ وہ عمارتیں ہیں۔ جن میں یہ ٹائلز اس خوبصورتی سے لگائے گئے ہیں کہ جو آج بھی اپنے فن کاروں کی صناعی اور ہنر مندی کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ قصر الحمراء میں یہ کام اپنی انتہائی حدوں کو چھوتا نظر آتا ہے۔ یہ ٹائلز دندانہ دار بنائے جاتے تھے جو صناعین اندلس کی مہارت اور جدت تخیل کی واضح دلیل ہیں(57) جبکہ سولہویں صدی سے سترہویں صدی عیسوی تک اس فن نے ایران اور اس کے بعد ترکی میں بہت زیادہ ترقی کی۔ بلکہ یہ ایران کا مخصوص آرائشی فن سمجھا جاتا تھا۔(58) ایران کی سب سے معروف تعمیراتی شاہکاروں میں سے ایک سترہویں صدی میں اصفہان میں واقع شاہ مسجد ہے(59) جس میں کاشی کاری کا فن اپنے عروج پر نظر آتا ہے۔ ان ٹائلز (چوکوں) پر پھولوں، ہندسی نمونوں کا کام کیا جاتا تھا اور سجاوٹ کے لیے عمارتوں کی دیواروں پر کاشی کی یہ ٹائلز لگائی جاتی تھیں۔ اس میں اکثر قرآنی آیتیں یا فارسی رسم الخط لکھے گئے۔ یہ فن 16 صدی سے 18 صدی کے دوران ترکی میں عثمانیوں میں منتقل ہو گیا اور وہاں ترک مسلمانوں کو اپنی ہنر مندی کے جوہر دکھانے کا موقع ملا۔ اور یہاں کی عمارتوں میں کاشی کاری کا استعمال وسیع پیمانے پر ہوا۔ جو مساجد کے ساتھ ساتھ محلات مزارات اور مقبرے کی آرائش کے لیے استعمال کیا گیا اس طرح اس فن نے ایران اور ترکی میں بہت زیادہ ترقی کی۔ دائرہ معارف الاسلامیہ میں ترکی کے اس فن پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا گیا ہے کہ: "سلیم اول نے چینی کی کاشی کاری کی صنعت کو تبریز سے ازنیق میں منتقل کیا۔ سلیمانیہ (استانبول) کی عمارت (1550 تا 1557ء) نے بھی ازنیق کی کاشی کاری میں نئے اسالیب پیدا کیے۔ طوپ قپو سرای میں سنان پاشا (ترکی معمار) کے زیر ہدایت مجلس تعمیرات کے ماتحت 580 صناع مصروف کار تھے جن میں اکتالیس نقاش اور زینت کار تھے۔ ان میں سے بعض نے کاشی کاری میں گل بوٹوں کا نیا انداز ایجاد کیا۔ جس میں

لالہ، گلاب، سنبل اور گلنار جیسے پھولوں کی شاخیں اور ثمر دار درختوں کی شگوفوں سے لدی ڈالیاں بھی شامل تھیں۔ سلطان سلیمان قانونی کی شش مینار مسجد کے ٹائیلوں پر بھی پہلی دفعہ درخشاں شنگرف کی موٹی تہیں نظر آئیں اور کچھ عرصے کے لیے کاشی کاری کی رنگارنگی کو ایک نئی شان مل گئی پھر اٹھارویں صدی کے وسط میں ٹائلز بنانے کی صنعت یا فن معدوم ہو گیا۔"(60) جبکہ پاکستان میں سندھ، کچ اور ملتان میں بھی نیلی، سفید اور سبز رنگ کے ٹائلوں سے مزین مزارات اور مساجد کی متعدد مثالیں موجود ہیں۔ الغرض مسلمانوں کی آرائش کی کوئی بھی صنعت ہو ان میں سے بعض صنعتیں اکثر خوبصورتی اور رعنائی اور جدت سے بھری ہوئی ہیں۔ ان میں ہم کاشی کاری کو پیش کر سکتے ہیں۔ کاشی کاری کی اس صناعی کے بڑے بڑے نمونے ان کی وہ عمارتیں اور یادگاریں ہیں جو کافی بڑی تعداد میں اسلامی ممالک میں موجود ہیں اور جو اسلامی فن تعمیر کی اس خصوصیت کو ظاہر کرتی ہیں۔

سنگ مرمر کا استعمال: سنگ مرمر یہ بھی ایک قیمتی سفید پتھر ہے۔ ابتداء میں آرائش کے لیے مسلمانوں میں اس کا استعمال نظر نہیں آتا۔ عرب چونکہ ابتدا میں اپنی عمارتیں اینٹیں اور گارے سے تعمیر کیا کرتے تھے۔ جب کہ رومیوں اور یونانیوں میں سنگ مرمر کا استعمال بہت ترقی یافتہ شکل میں تھا۔ کیونکہ یونانیوں اور رومیوں کو سفید عمارتیں اور مجسمے پسند تھے۔ جن میں وہ سنگ مرمر کا استعمال کیا کرتے تھے۔ جب کہ اس کے برعکس عرب مسلمان شوخ، چمکتے ہوئے رنگوں کے دلدادہ تھے۔ عربوں کی پہلی عمارت جس میں سنگ مرمر کا استعمال ہوا تھا، وہ کوفے کی مسجد ہے۔ جسے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے تعمیر کروایا تھا۔ اس مسجد میں ایک سائبان تعمیر کیا گیا جس کی چھت کو سنگ مرمر کے چھتیس (36) ستونوں کا سہارا دے کر بنایا تھا۔ اس سائبان کے ستون کوفے سے چار میل دور حیرہ (عراق کا شہر) کی ان شکستہ عمارتوں سے حاصل کیے گئے تھے جنھیں لخمی بادشاہوں نے تعمیر کیا تھا۔ عہد اموی کی عمارتوں میں سنگ مرمر کا استعمال بہت ہی کم نظر آتا ہے۔ درحقیقت اسلامی فن تعمیر میں سنگ مرمر کا استعمال عہد عباسی میں ہوا۔ بغداد کی بیشتر عمارتوں میں سنگ مرمر کا استعمال کیا گیا۔ ان عمارتوں کی دیواریں، فرش اور فوارے سنگ مرمر سے بنائے گئے اور بعض عمارتیں تو مکمل سنگ مرمر کی بنائی گئیں۔ مثلاً خلیفہ ہارون الرشید نے دریا دجلہ کے کنارے "قصر رصافہ" اور "جامع رصافہ" کی عمارتیں تعمیر کی تھیں۔ یہ دونوں عمارتیں مکمل سنگ مرمر کی بنائی گئی تھیں۔ (61) دیواروں کے علاوہ سنگ مرمر کا استعمال جالیاں بنانے میں بھی کیا گیا۔ اسی طریقے سے اندلس میں "مسجد قرطبہ" کی تزئین و آرائش کا کام کیا گیا اس کے علاوہ سنگ مرمر کی جالیوں سے یہ مقصد بھی حاصل کیا جاتا تھا کہ ان میں سے ہوا اور روشنی گذر کر آتی رہے لیکن دھوپ کا گذر نہ ہو (62) عمارتوں کو روشن رکھنے اور تازہ ہوا کی آمدورفت کے لیے دیدہ زیب سنگ مرمر کی رنگین جالیاں بنانا یہ ایک ایسی خوبی ہے جو صرف اسلامی فن تعمیر میں ہی نظر آتی ہے۔ علاوہ ازیں آرائش کے لیے سنگ مرمر کا بکثرت استعمال ہمیں ہندوستان کے اسلامی فن تعمیر میں بھی نظر آتا ہے۔ ہندوستان کے اسلامی فن تعمیر میں پہلی بار سنگ مرمر جو آرائش کے لیے استعمال کیا گیا وہ التتمش کے مقبرے میں ہوا۔ اس کے بعد علاء الدین خلجی کی تعمیر "علائی دروازہ" (63) (دہلی) (جس میں عربی، ایرانی، ہندی مذہب کا طرز تعمیر

مجتمع ہے لیکن عمارت کا مجموعی طرز عربی ہے)میں سنگ مر مر کا استعمال ہوا۔اس کی روکار کی سجاوٹ کے لیے سنگ مر مر کا استعمال کیا گیا۔اور سنگ مر مر کی نہایت خوبصورت اور نازک جالیاں لگائی گئی ہیں۔اسی طرح غیاث الدین تغلق کے مقبرے کا گنبد سنگ مر مر کا بنایا گیااور سنگ مر مر سے ہی مقبرے کے روکار کی آرائش کی گئی۔لیکن ہندوستان میں صحیح معنوں میں سنگ مر مر کا استعمال مغلوں نے کیا(64) علی الخصوص شاہجہانی دور کی تعمیرات کی نمایاں خصوصیات میں عمارتوں کی نزاکت ،تناسب اور سنگ مر مر کا بکثرت استعمال ہے (65)شاہجہاں کے دور کی سب سے خوبصورت عمارت "تاج محل" ہے۔جو مکمل طور پر سنگ مر مر سے بنی ہوئی ہے۔جس میں فن تعمیر و تزئین عمارت کا انتہائی نقطہ کمال نظر آتا ہے۔اور آج بھی اس کا شمار دنیا کی لاثانی عمارتوں میں ہوتا ہے۔اعلیٰ قسم کے سنگ مر مر سے بنی ہوئی یہ عمارت دیکھنے والوں کو ورطہ حیرت میں ڈال دیتی ہے۔اس کی خوبی اور صناعی کو الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں صرف دیکھ کر ہی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔(66) اگرچہ کی اس کی تعمیر میں صدیاں گذر گئیں لیکن آج بھی وہ ویسی ہی ہے جیسا کہ وہ تعمیر کے وقت تھی۔ تاج محل کے بارے میں گستاؤلی بان کا کہنا ہے کہ "کُل سیاحوں کی رائے ہے کہ یہ عمارت مجملہ عجائبات روز گار ہے۔"(67)ایک اور جگہ گستاؤلی بان ایک فرانسیسی ماہانہ رسالہ(پتورسک میگزین)میں اس عمارت(تاج محل) کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا ہے اُس کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ :ساری عمارت سفید جلا کیے ہوئے سنگ مر مر کی بنی ہوئی ہے اور جس وقت اس پر آفتاب کی شعاعیں پڑتی ہیں تو آنکھیں چکاچوند ہو جاتی ہیں اور نظر نہیں ٹھہرتی۔اس حیرت انگیز عمارت کے دیکھنے کے لیے کچھ چاندہی کی روشنی موزوں ہے۔سنگ مر مر کی کندہ کی ہوئی سلیں جن میں ایک بے نظیر باریکی اور لطافت کے ساتھ پھول پتے گلاب کی پنکھڑیاں اور عربی گل کاریاں بنی ہوئی ہیں۔پتلے پتلے ستون، پر تکلف چوکھٹے،غلام گردشیں، جن میں روشنی کے لیے جالیاں لگی ہوئی ہیں۔خالص سنگ مر مر کی باریک جالیاں، مختلف قیمتی پتھروں کی شوخ رنگ پچی کاری،سنگ موسیٰ کے کتبے۔غرض جو کچھ صنعت کی قدرت میں تھاوہ یہاں افراط کے ساتھ جمع کر دیا گیا ہے اور ایک ایسا مجموعی اثر پیدا کرتا ہے جس کا نظیر تمام عالم میں نہیں ہے۔(68)اگرچہ کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی عمارتوں کو تعمیر ہوئے صدیاں گذر گئیں لیکن ان میں سے بعض عمارتیں ویسے ہی موجود ہیں جیسا کہ روز اول میں تھیں اور یہ اسلامی طرز تعمیر کی صناعی کی خصوصیات سے مزین ہیں اور اس عہد کی یادیں تازہ کرتی ہیں۔

نسخی گل کاری، خطاطی اور کتبے نگاری: نسخی گل کاری: اسلامی فن تعمیر میں عمارتوں کی آرائش میں نسخی گلکاریوں کو غیر معمولی حیثیت حاصل رہی ہے۔یہ مسلم فن تعمیر کی ایک ایسی خصوصیت ہے کہ کوئی شخص فن تعمیر سے کتنا ہی ناواقف کیوں نہ ہو وہ فوراًان عمارات کو پہچان لے گا کہ یہ مسلم فن تعمیر کا شاہکار ہیں۔ان آرائشوں میں ہندسی اشکال اور کتبوں کی ہم آغوشیوں میں کچھ ایسی صورتیں بنائی گئی ہیں جس کو لفظوں میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔یہ نسخی گلکاریاں پتھر پر تراشی جاتی تھیں جس کو قاہرہ کی مسجدوں میں یا اندلس کے قصر الحمراء میں دیکھا جاسکتا ہے۔بلکہ مسلمانوں کی بنی ہوئی ہر عمارت پر نسخی گلکاری مسلم فن تعمیر کی ایسی شناخت بن چکی ہے جو اسے دیگر غیر اسلامی فن تعمیر سے

انفرادیت بخشتی ہے ان آرائشوں میں عربی حروف کا بہت بڑا حصّہ ہے اور یہ نہایت خوبصورتی سے نسخی گلکاروں میں گھل مل جاتے ہیں۔ (69) غرض آرائش کے لیے عربی زبان کا استعمال کرنا یہ ایک ایسی خوبی ہے جو صرف اسلامی فن تعمیر میں ہی نظر آتی ہے۔

خطاطی: خطاطی کے لیے "عربی" دنیا کی وہ واحد زبان ہے جو عمارتوں کے لیے استعمال کی گئی اور اس کے لیے باقاعدہ خطاطی کا فن وجود میں آیا۔ اگرچہ کہ خطاطی (خط کی مصّوری) کا سب سے زیادہ جمیل استعمال قرآن مجید کی کتابت میں ہوا۔ اور اس کے لیے کئی طرز معرض وجود میں لائے گئے قرآن مجید سے اس خصوصی تعلق کے علاوہ خطاطی کا استعمال کتابوں کی کتابت، قالینوں میں، فرامین کے علاوہ مسجدوں اور قلعوں کی پیشانی پر اور بعض اوقات عمارت کے اندر بھی اور پھر روضوں اور مرقدوں کی دیواروں پر بھی ہوتا رہا ہے۔ (70) بیشتر عمارتوں پر قرآن کی پوری آیتیں کندہ کی گئیں۔ لیکن ایسی بھی عمارتیں ہیں جن پر ایک ہی لفظ بار بار لکھ کر آرائش کی گئی اور ایسی بھی عمارتیں ہیں جن پر اللہ، محمد، علی، حسن، حسین اور بسم اللہ الرحمن الرحیم کندہ کیا گیا یا لکھا گیا۔ اس طرح کی خطاطی تیرہویں صدی کے بعد ایران، مصر، شمالی افریقہ، اناطولیہ اور ہندوستان کی عمارتوں پر ملتی ہیں۔ (71) مسلم دنیا کی عمارتوں پر کی گئی خطاطی سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن شریف کی یہ آیتیں پتھروں پر کندہ کی گئیں، گچ کی استرکاری پر لکھی گئیں۔ اس مقصد کے لیے کاشی کاری، پچی کاری اور میناکاری کی صنعتیں استعمال کی گئیں۔ مختلف رنگوں سے دیواروں پر لکھی گئیں اور مخصوص ساخت کی اینٹیں بنا کر ان سے آیتیں لکھی گئیں۔ (72) چونکہ مسلمانوں نے فن تعمیر میں گل کاری میں کمال حاصل کر لیا تھا۔ اس لیے خطاطی اور گل کاری کی آمیزش سے حسین ترین سجاوٹ پیدا کی گئی۔ اس کے لیے یہ کیا گیا کہ عربی خطاطی کے آس پاس جو جگہ بچی اس پر بیل بوٹے اور خوب صورت پھول بنا دیئے گئے اور یہ طریقہ بھی اختیار کیا گیا کہ بیل بوٹے بنائے اور پھر اس پر آیت اس طرح لکھی کہ دونوں کا حسن دوبالا ہو گیا۔ یعنی عربی حروف کو گل کاری میں اس طرح گھلا ملا دیا کہ غور کرنے ہی پر معلوم ہوتا ہے کہ آرائش میں قرآن کی آیت بھی ہے۔ اسی لیے از منہ وسطیٰ اور نشاۃ الثانیہ کے عیسائی آرائش کار، مسلم عمارتوں پر گل کاری اور عربی حروف پر فرق نہیں کر سکے۔ انھوں نے جب اپنی عمارتوں پر مسلم آرائش کی نقل کی تو عربی حروف کو بھی گل کاری سمجھ کر اپنی عمارتوں پر محض آرائش سمجھ کر نقل کر دیا۔ (73) بقول ڈاکٹر گستاؤلی بان "موسیولانگ پیریر اور موسیولا دواء اور دوسرے مصنفین نے ان کی مثالیں اکثر اطالیہ میں دیکھی ہیں۔ اس آخر الذکر مصنف نے تو میلان (اٹلی کا شہر) کے بڑے کلیسے کے بیت الخدمت میں ایک نکیلا محراب دار دروازہ دیکھا ہے جس کے گرد پتھر کی گگر تھی اور اس پر ایک عربی لفظ متعدد بار لکھا ہوا تھا۔ کلیسائے سینٹ پیٹر کے اس دروازے پر جہاں پوپ یوژین چہارم کی مورت ہے ایک سطر عربی لکھی ہوئی ہے۔ افسوس ہے کہ اس مصنف نے ان کتبوں کا ترجمہ دیا ہے۔ کیا عجب ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے سر کے گرد لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہو۔" (74) الغرض عمارتوں پر خطاطی کے ذریعے آرائش کے رواج کی وجہ سے فن خطاطی کو غیر معمولی فروغ حاصل ہوا۔ جو خالص اسلامی فن ہے جسے مسلمانوں نے دل کش و دل آویز بنا دیا۔ شاید ہی مسلمانوں کی کوئی سرکاری یا نجی عمارت ہو جس پر قرآنی آیات، احادیث مبارکہ، اقوال زریں، ضرب الامثال یا اشعار، تحریر

نہ ہوں جو خطاطی کی لکیروں کے پیچ و خم سے نئے دیدہ زیب اشکال اختیار کر جاتے ہیں۔

کتبہ نگاری: اسلامی فن تعمیر میں نسخی گل کاریوں کے ساتھ ساتھ کتبہ نگاری کو بھی غیر معمولی حیثیت حاصل رہی ہے۔ کتبہ نگاری کے لیے عربی زبان کا استعمال زیادہ ہوا ہے۔ اس کی وجہ عربی رسم الخط کی خوبصورتی، قرآن شریف اور مسلمانوں کا مذہبی جوش ہے۔ اسی مذہبی بنیاد کی وجہ سے جو ادب اور احترام عربی زبان کو مسلم دنیا میں حاصل ہوا، وہ دنیا کی کسی بھی زبان کو نہیں ملا۔ اس لیے کتبہ نگاری کے لیے مقامی زبان کا استعمال کم کیا گیا۔ ہاں عمارت کا مقصد ضرور مقامی زبان میں کندہ کیا گیا۔ لیکن آرائش کے لیے سو فیصدی قرآن شریف کی آیتیں ہی استعمال کی گئیں۔(75) ہندوستان میں مقصدی کتبے بیشتر فارسی میں اور کچھ اردو میں ہیں اور ان دونوں زبانوں کے لیے عام طور سے خط نستعلیق استعمال کیا گیا۔ لیکن عمارت کی آرائش کے لیے ان زبانوں کا استعمال کسی بھی عمارت پر نہیں ہے۔(76) اگرچہ کہ اسلامی فن تعمیر کے وجود میں آنے سے پہلے یونانی عمارتوں پر یونانی زبان میں کتبے لگائے گئے تھے۔ مگر یہ کتبے عمارت کا محض مقصد بتانے کے لیے ہوتے۔ ان پر نام یا تاریخ یا دونوں کندہ ہوتے تھے۔ "عربی" دنیا کی وہ واحد زبان ہے جسے عمارت، ظروف اور دوسری چیزوں کی آرائش کے لیے استعمال کیا گیا۔ آرائش کے طور پر کتبہ نگاری کا قدیم ترین نمونہ بیت المقدس میں قبۃ الصخرہ کی عمارت میں ملتا ہے۔ جو خلفائے بنو امیہ کے عہد میں لکھا گیا تھا۔ یہ کتبہ خط کوفی میں لکھے جاتے تھے۔ اس کے بعد طویل عرصہ تک خط کوفی عمارتوں کی آرائش اور کتبہ نگاری کے لیے استعمال کیا گیا۔ کتبہ نگاری کے فن نے عہد عباسیہ میں فاطمیوں کے دور میں بہت ترقی کی اور اس کے لیے خط کوفی ہی استعمال کیا جاتا تھا۔ عہد سلجوقی کی عمارتوں میں اور کتبہ میں ایک نیا خط "خط نسخ" سے لکھا جاتا رہا۔ پھر پندرہویں اور سولہویں صدی میں ایران کی عمارتوں اور کتبے کے لیے ایک نیا خط خط نستعلیق نظر آنے لگا پھر اس مقصد کے لیے مزید کئی خطوط طغریٰ، شکستہ اور مربع وغیرہ بھی ایجاد کیے گئے۔(77) غرضیکہ کتبات کسی بھی عمارت پر لکھے جاتے ہوں لیکن مسجد کے کتبات اپنی جگہ اہمیت رکھتے ہیں۔ اور ان کے لیے زیادہ تر عربی خط کوفی اور خط نسخ استعمال کیا گیا۔ چونکہ یہ دونوں رسم الخط انتہائی باوقار اور دلکش ہیں اس لیے ان کا استعمال کتبے نگاری میں زیادہ نظر آتا ہے۔ اور یہ فن بھی اسلامی فن تعمیر کی ایک الگ شناخت یا پہچان بن چکا ہے۔ جو اسلامی عمارتوں کو دیگر عمارتوں سے ایک الگ امتیازی مقام عطا کرتا ہے۔

کندہ کاری(Engraving): مسلم فن تعمیر میں آرائش کا ایک اہم ذریعہ لکڑی بھی تھا۔ جس میں کندہ کاری(Engraving) کے ذریعے یا لکڑی کے مختلف سائز اور شکل کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کو جوڑ کر مختلف ھندسی اشکال کو استعمال کرتے ہوئے نہایت اعلیٰ درجے کے نمونے تخلیق کیے جاتے تھے۔(78) اس کے علاوہ لکڑی کے کام میں نایاب اور قیمتی شے آبنوس، ہاتھی دانت، سیپ اور کچھوے کے خول سے بھی کام لیا جاتا تھا۔ یہ ایک ایسی صنعت ہے جس کو عربوں نے کمال درجہ تک پہنچایا۔ غرض یہ کہ آرائش و زیبائش کی کوئی بھی صنعت ہو یا فن وہ ہر لحاظ سے انفرادیت کا حامل رہا ہے بلکہ یہ اسلامی فن تعمیر کی اپنی شناخت بن چکا ہے اور ان کی صناعی کے بہت بڑے نمونے ان کی عمارتیں اور یادگاریں ہیں جو دینا کے مختلف حصوں میں موجود ہیں جن میں کمال سادگی کے باوجود آرائش میں حسن آفرینی اپنی انتہا کو چھوتی

نظر آتی ہے۔ چنانچہ اس لحاظ سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ فن میں تخیل آرائی اور تخلیقی پہلو کا اضافہ جو عمارتوں کی آرائش میں کیا گیا تھا صرف مسلمانوں کا ہی حصہ ہے۔ مسلمانوں نے خطاطی اور جیومیٹری اشکال کے ذریعے تجریدی آرٹ کو از حد ترقی دی۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اگر مسلمانوں نے فن تعمیر میں خواہ وعمارتوں کا طرز ہو یا آرائشی نقش ونگار، اس میں بعض فنون (مجسمہ سازی اور تصویر کشی) سے اجتناب برتا یا کسی خاص فن میں سست روی کا مظاہرہ کیا تو وہ اس کی تہذیبی منطق کے مطابق تھا۔ کیونکہ دنیا میں ہر تہذیب کا ایک خاص مزاج ہوتا ہے وہ خاص مزاج، ذوق کے بعض میلانات کا شائق اور بعض سے بیزار ہوتا ہے اور یہ سب کچھ ان عقائد کے تابع ہوتا ہے جو کسی تہذیب میں رواں دواں ہوتے ہیں چونکہ اسلامی تہذیب ایک اسی تہذیب ہے جس میں دین اور دنیا الگ نہیں اس تہذیب کی اساس اللہ کے تعلق پر قائم ہے اور جس کا مقصد ہدف رضائے الٰہی ہے تو اس کی ہر چیز میں اس کی جھلک نظر آئے گی حتیٰ کہ عمارتوں کا طرز تعمیر ہو یہ آرائشی نقش ونگار اس میں بھی اس کی جھلک نظر آئے گی۔ چنانچہ یہ خصوصیت ہمیں ہر اسلامی عمارتوں میں نظر آتی ہے۔ بہر کیف ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اسلام کی آمد دنیائے فن میں ایک عظیم الشان واقعہ تھا تخلیقی اور تعمیری کاموں کے لیے، اس نے زبردست تخلیقی قوتوں کو بیدار کر دیا بلکہ تاریخ انسانی میں اسلام ہی وہ پہلا مذہب ہے جس نے فن کو مذہب کی گرفت سے آزاد کیا جب کہ اسلام سے پہلے کے مذاہب کے لوگ فن کو محض مذہبی نقطہ نظر سے دیکھتے تھے اور اس کو مذہب کے اظہار کا سب سے اہم ذریعہ سمجھتے تھے جب کہ اسلام نے صورت مادی یا خیالی اظہار سے قطع نظر فن کو صرف آرائش وزیبائش کے لیے استعمال کیا جو فن کے استعمال کا اصلی مقام تھا اور اب فن تعمیر اور اس کے تمام معاون فنون جیسے ہندسی اشکال، پچی کاری، چوبی نکاشی، نسخٰی گل کاری، منبت کاری، کاشی کاری، کتبہ نگاری کو ایک دعوت عمل تھی کہ نئی مساجد اور محالات کی تعمیر میں مدد کریں اور کمالات دیکھائیں۔ چنانچہ مسلمانوں نے ان سے کام لیتے ہوئے نقش گری کو اسلامی فن معماری میں کمال تک پہنچا دیا۔ اور بر سہا برس گذر جانے کے باوجود بھی یہ اسلامی نقش ونگار جو عمارتوں کی دیواروں پر مزین ہیں یہ ایک ایسا قیمتی اثاثہ ہیں جو اسلامی تہذیب کی شاندار عکاسی کرتے ہیں اور گذشتہ تمدن کی یاد دلاتے ہیں غرض آج بھی اسلامی فن تعمیر ماضی کی طرح اپنے طرز تعمیر اور نقش ونگار کی بدولت دنیا بھر میں اپنی ایک الگ پہچان اور انفرادیت رکھتا ہے۔ اور اسے ماضی سے بھی جوڑے ہوئے ہے۔

حواشی و حوالہ جات

[1] ۔ بلوچ، عبدالرحیم اشرف، اندلس میں مسلم فن تعمیر (مشمولہ) اندلس کی اسلامی میراث (ترتیب و تدوین) ڈاکٹر صاحبزادہ ساجد الرحمٰن، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، 2005، ص687۔

[2] ۔ وحید، صہبا، ہندی۔ اسلامی فن تعمیر، عہد سلطنت میں، ایک تاریخی اور تہذیبی مطالعہ، اردو اکادمی، دہلی، 1955، جلد اوّل، ص33۔34۔

[3] ۔ کوہنل، ارنسٹ، اسلامی آرٹ اور فن تعمیر، (ترجمہ) مولانا غلام طیب، فیروزسنز، لاہور، 1971ء، ص12۔

[4] ۔ دیکھیے: فان برخم کا مضمون، انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، لائیڈن، لندن، 1913ء، جلد1، ص422۔425 مزید دیکھیے: 1960ء کے ایڈیشن میں ص608۔624 جبکہ کے اے سی کریسویل (Keppel Archibaid Cameron creswell) کا مضمون A Short Account of Early Muslim Arehitecture میں نسبتاً ہمدردانہ نقطہ نظر ملتا ہے۔ (بحوالہ) صہبا، وحید، ہندی۔ اسلامی فن تعمیر عہد سلطنت میں ایک تاریخی اور تہذیبی مطالعہ، جلد اول، ص34۔

[5] ۔ دیکھیے: Gustave.E.Von,Grunebaum,unity and variety in Muslim civilization,University of Chicago.January 1956۔

[6] ۔ اس کے لیے دیکھیے: ارنسٹ ٹاڈہیام کی کتاب "اسلامی فن تعمیر" اور کے اے سی کرسیویل (Keppel Archibald Cameron creswell) کا مضمون A Short Account of Early Muslim Architecture

[7] ۔ رچمنڈ، ارنسٹ ٹاڈہیام، اسلامی فن تعمیر 623ء تا 1615ء چند اسباب اور علل، (مترجمہ) سید مبارز الدین رفعت، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، دہلی، جنوری 1952ء، ص17۔

[8] ۔ وحید، صہبا، ہندی۔ اسلامی فن تعمیر، عہد سلطنت میں، ایک تاریخی اور تہذیبی مطالعہ، جلد اوّل، ص34 تا 36۔

[9] ۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب، لاہور، 1985ء اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جلد15، ص500، 493۔

[10] ۔ بان، گستاؤلی، تمدن عرب، (ترجمہ) سید علی بلگرامی، الفیصل، لاہور، تاریخ ندارد، ص87۔

[11] ۔ ایضاً، 791۔

[12] ۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جلد15، ص501۔

[13] ۔ رچمنڈ، ارنسٹ ٹاڈہیام، اسلامی فن تعمیر، 623ء تا 1615ء چند اسباب اور علل، (مترجمہ) سید مبارز الدین رفعت، ص9۔

[14] ۔ ایضاً، ص10۔

[15] ۔ اگرچہ کہ اس حقیقت سے انکار نہیں کہ ظہور اسلام کے وقت عرب زیادہ متمدن قوم نہیں تھی۔ لیکن اس قوم کا ماضی شاندار تھا عرب میں قدیم زمانے ہی سے منظم ریاستیں قائم رہی تھیں۔ لیکن کبھی کوئی ایسی ریاست قائم نہیں ہوئی جو پورے عرب پر محیط ہو۔ ان میں قوم عاد اور ثمود کا ذکر کیا جاسکتا ہے۔ اس قوم نے مختلف فنون اور خاص طور سے فن تعمیر میں غیر معمولی ترقی کی۔ اسی طرح عرب کا جنوب مغربی گوشہ جو یمن کے نام سے مشہور ہے اس میں ایسے ہی تمدن کے آثار ملتے ہیں جو رسول اکرم ﷺ سے قبل چھٹی صدی کے ربع آخر میں موجود تھے۔ اگرچہ آنحضرتؐ کی ولادت کے وقت یمن کے لوگوں میں نوشت وخواند کا رواج نہ رہا تھا۔ لیکن گذشتہ تمدن کی یاد ابھی پورے عرب میں تازہ تھی۔ عرب روایات یمنی تمدن کے زوال اور لوگوں کے منتشر ہونے کو مارب (یمن کا قدیم دارلحکومت) کے مقام پر ایک بڑے بند کے ٹوٹنے سے منسوب کرتی ہے۔ یہ بنو سبا کا خاندان تھا جو یمن، اطراف حجاز و شام اور حبشہ پر حکمران تھا۔ اس نے آب پاشی کے لیے ایک عظیم الشان بند تعمیر کر رکھا تھا۔ جدید مورخین کے مطابق بنو سبا کو فن انجینئری اور فن ہندسہ پر کمال حاصل تھا۔ جو ان کے عروج و ترقی کو ثابت کرتا ہے در حقیقت ان کی عروج و ترقی دو چیزوں پر منحصر تھی زراعت و تجارت لہٰذا انھوں نے آب

پاشی کے لیے ایک عظیم الشان بند تعمیر کر رکھا تھا جو اس قوم کے شاندار تمدن کا شاہد ہے۔ یہاں اب بھی گذشتہ زمانے کے کھنڈر دکھائی دیتے ہیں جو اب یمن کے جدید دارالحکومت صنعاء کے شمال مشرق میں 15 کلومیٹر کے فاصلے پر نظر آتے ہیں۔ ایضاً، ص10۔11۔

[16]۔ اس سلسلے میں آپؐ کا ارشاد ہے کہ: "قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک کہ لوگ بلند اور منقش عمارات نہ بنانے لگیں گے اور یہ کہ ماسوائے ضرورت کے، مکان تعمیر کرنے میں کوئی برائی نہیں۔ جامع ترمذی، کتاب الایمان، حدیث نمبر 2610۔

[17]۔ ابن سعد، محمد، طبقات ابن سعد، (ترجمہ) علامہ عبداللہ العمادی، نفیس اکیڈمی، کراچی، حصہ دوئم، ص237۔

[18]۔ ابن خلدون نے "مقدمہ" میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ کوفے میں مسلمانوں کے گھروں کو آگ لگ گئی چوں کہ یہ گھر سرکنڈوں کے بنے ہوئے تھے۔ اس لیے جل کر راکھ ہوگئے۔ حضرت عمرؓ کی خلافت کا زمانہ تھا۔ آپ نے کوفہ کی تعمیر نو کی اجازت دے دی، لیکن یہ شرط لگادی کہ کوئی بھی شخص اپنے گھر میں اپنے خاندان کے لیے تین حجروں سے زیادہ حجرے نہ بنائے اور فرمایا کہ عمارتوں پر پانی کی طرح پیسہ نہ بہاؤ۔ سنت رسول اللہ ﷺ کو چمٹے رہو۔ اس کے ساتھ ہی حضرت عمرؓ نے مکانوں کی بلندی بھی طے کر دی تاکہ اونچے اونچے مکان بنا کر دولت کی بے جا نمائش نہ کی جائے۔ ابن خلدون، علامہ عبدالرحمن، مقدمہ ابن خلدون، (ترجمہ) مولانا راغب رحمانی، نفیس اکیڈمی، کراچی، ستمبر 1986ء، حصہ دوم، ص223

[19]۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جلد15، ص678۔

[20]۔ کوہنل، ارنسٹ، اسلامی آرٹ اور فن تعمیر، (ترجمہ) مولانا غلام طیب، ص17۔

[21]۔ خاں، سید احمد، آثار الصنادید، (مرتبہ) خلیق انجم، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی، 2011، جلد اوّل، ص36۔

[22]۔ رچمنڈ، ارنسٹ ٹاڈہیام، اسلامی فن تعمیر 623ء تا 1615ء چند اسباب اور علل، (مترجمہ) سید مبارز الدین رفعت، ص19۔

[23]۔ وحید، صہبا، ہندی۔ اسلامی فن تعمیر عہد سلطنت میں، ایک تاریخی اور تہذیبی مطالعہ، جلد اوّل، ص35۔

[24]۔ کوہنل، ارنسٹ، اسلامی آرٹ اور فن تعمیر، (ترجمہ) مولانا، غلام طیب، ص17۔18۔

[25]۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جلد15، ص500۔

[26]۔ وحید، صہبا، ہندی۔ اسلامی فن تعمیر عہد سلطنت میں، ایک تاریخی اور تہذیبی مطالعہ، جلد اوّل، ص36۔

[27]۔ ایضاً

[28]۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جلد15، ص494۔

[29]۔ وحید، صہبا، ہندی۔ اسلامی فن تعمیر عہد سلطنت میں، ایک تاریخی اور تہذیبی مطالعہ، جلد اوّل، ص36۔

[30]۔ چغتائی، محمد عبداللہ، مسلمانوں میں مصوری کا ارتقا، (مشمولہ) شیما مجید، فن مصوری منتخب مضامین، مکتبہ جدید پریس، لاہور، 2005ء، ص100-128

[31]۔ بان، گستاؤلی، تمدن عرب، (ترجمہ) سید علی بلگرامی، ص87۔

[32]۔ چغتائی، محمد عبداللہ، مسلمانوں میں مصوری کا ارتقاء، ص100۔

[33]۔ وحید، صہبا، ہندی۔ اسلامی فن تعمیر عہد سلطنت میں، ایک تاریخی اور تہذیبی مطالعہ، جلد اوّل، ص50۔51۔

[34]۔ ایضاً، ص41-

[35]۔ بلوچ، عبدالرحیم اشرف، اندلس میں مسلم فن تعمیر (مشمولہ) اندلس کی اسلامی میراث (ترتیب و تدوین) ڈاکٹر صاحبزادہ ساجد الرحمٰن، ص688۔

[36]۔ ایضاً، ص687-688۔

37۔ زخرفۃ العرب(Arabesque decoration)(عربی گلکاری، بیل بوٹے دار رنگین کام)اس میں کوئی شک نہیں کہ بیل بوٹوں کی تزئین اور تشکیل میں عربوں نے ایسی دقیق نظر سے کام لیا کہ یہ فن ان سے مخصوص ہو کر Arabesque کہلایا۔ جب مسلم فن کاروں کو رنگوں اور خطوط کے امتزاج سے پیہم تخلیقی اشکال پیدا کرنے میں مہارت حاصل ہو گئی تو تب وہ نقاشی کی طرف متوجہ ہوئے اس وقت ان کی بیشتر توجہ اعلیٰ درجے کی کتابوں کی صورت گری کی طرف مبذول رہی۔ تاہم عمارتوں کی تزئین و آرائش میں عربوں نے وہ مہارت دیکھائی کہ مغرب کا کوئی نقاش ان کے اس فن کے گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔ یہ فن بہت پیچیدہ ہے۔ اس فن میں اگر کوئی بیل دکھائی جاتی ہے تو وہ کئی سمتوں میں پھیلتی ہے اور ہر طرف اس کے موڑ، دائرے اور فاصلے اتنے برابر ہوتے ہیں کہ بال برابر فرق نہیں ہوتا۔ خاں، سید احمد، آثار الصنادید (مرتبہ) خلیق انجم، جلد اول، ص61 مزید اس فن کے مطالعہ کے لیے ملاحظہ ہو: Hill,Derek, Islamic, Architecture and its Decoration, London,1964,pg436, Faruqi,Lois damya'al, Islam and Art pg 133,146

38۔ بلوچ، عبد الرحیم اشرف، اندلس میں مسلم فن تعمیر، ص688۔

39۔ خان، سید احمد، آثار الصنادید (مرتبہ) خلیق انجم، جلد اوّل، ص54۔55

40۔ بان، گستاؤلی، تمدن عرب (ترجمہ) سید علی بلگرامی، ص300۔

41۔ خاں، سید احمد، آثار الصنادید (مرتبہ) خلیق انجم، جلد اوّل، ص56۔57۔

42۔ بان، گستاؤلی، تمدن عرب، (ترجمہ) سید علی بلگرامی، ص305۔

43۔ ایضاً۔

44۔ ان هندسی اشکال کی بنیاد دراصل وہ چند سادہ ترین شکلیں ہیں جنہیں ہم مربع، مستطیل، دائرہ، تکون یا مثلث اور کثیر الاضلاع کے نام سے جانتے اور پہچانتے ہیں۔ شش پہلو اور ہشت پہلو هندسی اشکال کا بنانا مشکل ہے لیکن کوشش سے آدمی اس پر قدرت حاصل کر لیتا ہے۔ عمارات کے ہیکل اور بناوٹ میں هندسی اشکال کے استعمال کی سب سے عمدہ مثال مقرنس(Honey comb or stalactite)، چھتوں والے طاقچوں، محرابوں اور قبوں کی تعمیر ہے جسے خالص اسلامی طرز تعمیر مانا جاتا ہے۔ جبکہ آرائشی مقاصد کے لیے هندسی اشکال ہمیں خطاطی اور نقش و نگار(Pattern) میں جلوہ گر نظر آتی ہے۔

45۔ خاں، سید احمد، آثار الصنادید (مرتبہ) خلیق انجم، جلد اوّل، ص60۔

46۔ رضوی، سید آصف علی، اسپین میں مسلم فن تعمیر کا ارتقاء، ص34۔

47۔ خاں، سید احمد، آثار الصنادید، مرتبہ: خلیق انجم، جلد اوّل، ص60۔61۔

48۔ بلوچ، عبد الرحیم اشرف، اندلس میں مسلم فن تعمیر، ص691،699۔

49۔ کسی ایک پتھر کی سطح پر رنگین شیشوں اور پتھروں کے ٹکڑے جن کی ترکیب سے گل بوٹے، هندسی اشکال، جانداروں کی تصویریں بنائی جاتی تھیں یا الفاظ وغیرہ کھود کر اس میں رنگین شیشوں اور دوسرے رنگ کے پتھروں کو تراش کر وصل کرنے کو پچی کاری کہتے ہیں۔ خاں، سید احمد، آثار الصنادید، (مرتبہ) خلیق انجم، جلد اوّل، ص61۔

50۔ ایضاً۔

51۔ بان، گستاؤلی، تمدن عرب (ترجمہ) سید علی بلگرامی، ص90۔

52۔ خاں، سید احمد، آثار الصنادید (مرتبہ) خلیق انجم، جلد اوّل، ص61۔

53۔ بان، گستاؤلی، آثار الصنادید (ترجمہ) سید علی بلگرامی، ص299۔

54۔ ایضاً۔

[55]۔ کاشی جو مختصر طور پر قشانی (Qushani) کی شکل ہے قشانی یا کاشانی، فارسی زبان کا لفظ ہے۔ یہ ایران کا مخصوص فن سمجھا جاتا ہے۔ جس میں مختلف قسم کے رنگوں کے ٹائلز یا چوکے عمارتوں کی آرائش کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔ جن پر گل بوٹے اور ہندسی اشکال بنائے جاتے تھے۔ Qashani-wikipedia.org

[56]۔ وحید، صہبا، ہندی۔ اسلامی فن تعمیر عہد سلطنت میں، ایک تاریخی اور تہذیبی مطالعہ، جلد اول، ص 79۔

[57]۔ بلوچ، عبدالرحیم اشرف، اندلس میں مسلم فن تعمیر، ص 697۔

[58]۔ خاں، سید احمد، آثارالصنادید، مرتبہ: خلیق انجم، جلد اوّل، ص 62۔

[59]۔ Jameh Mosque of Isfahan, en:m.wikipedia.org

[60]۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جلد 15، ص 759۔

[61]۔ خاں، سید احمد، آثارالصنادید (مرتبہ) خلیق انجم، جلد اوّل، ص 56۔57۔

[62]۔ بلوچ، عبدالرحیم اشرف، اندلس میں مسلم فن تعمیر، ص 697۔

[63]۔ علائی دروازہ، مسجد قبۃ الاسلام (ہندوستان) کے اس حصّہ میں داخل ہونے کے لیے تیار کیا گیا تھا جو علاؤالدین خلجی نے بڑھایا تھا۔ یہ مسجد قطب الدین ایبک نے بنوائی تھی۔ بعد میں التمش، خلجی اور تغلق عہد میں اس مسجد میں اضافے ہوتے رہے۔ معین الحق، سید، اسلامی عہد میں فن تعمیر (ہند پاکستان)، دائرہ معین المعارف، کراچی، 1965ء، ص 10۔

[64]۔ خاں، سید احمد، آثارالصنادید (مرتبہ) خلیق انجم، جلد اوّل، ص 56۔

[65]۔ مغلوں کے دور کی عمارتوں میں سنگ مرمر کا بکثرت استعمال شاہجہاں کے دور میں نظر آتا ہے۔ چنانچہ شاہجہاں نے آگرہ کا قلعہ جو اکبر نے بنوایا تھا اس میں دیوان عام تیار کروایا۔ جس میں سنگ مرمر کا استعمال نمایاں ہے۔ تقریباً دس سال بعد یہیں دیوان خاص تیار کرایا۔ جس کے دروں کے دوہرے ستون جو سنگ مرمر کے ہیں، نہایت عمدہ اور شاندار ہیں۔ تیسری قابل ذکر عمارت اسی قلعہ میں "موتی محل" ہے یہ اگرچہ مسجد ہے۔ لیکن ایک چھوٹی سی عمارت ہے۔ جو خوبصورتی اور نزاکت کے نقطہ نظر سے واقعی موتی مسجد کہلانے کی مستحق ہے۔ اس کے دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ سنگ مرمر کو کس حد تک خوبصورت بنایا جاسکتا ہے۔ اس کے علاوہ شاہجہاں نے اور عمارتیں بھی سنگ مرمر کی اس آگرہ کے قلعہ میں بنوائیں۔ مثلاً خاص محل، شیش محل اور مثمن برج وغیرہ۔ اسی طرح اس نے لاہور کے قلعے (اکبر کے دور کا) میں دیوان عام، خواب گاہ، شیش محل، مثمن برج اور نولکھا کی عمارتیں سنگ مرمر سے بنوائیں۔ اور تاج محل جو شاہجہاں کے عہد کا شاہکار تعمیری کارنامہ ہے۔ یہ مکمل طور پر سنگ مرمر کا ہے۔ معین الحق، سید، اسلامی عہد میں فن تعمیر (ہند پاکستان)، ص 51۔52۔

[66]۔ ایضاً، ص 57۔58۔

[67]۔ بان، گستاؤلی، تمدن عرب (ترجمہ) سید علی بلگرامی، ص 112۔

[68]۔ ایضاً۔

[69]۔ ایضاً، ص 306۔

[70]۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جلد 15، ص 956۔

[71]۔ خاں، سید احمد، آثارالصنادید (مرتبہ) خلیق انجم، جلد اوّل، ص 58۔

[72]۔ ایضاً۔

[73]۔ ایضاً، ص 58۔59۔

[74]۔ بان، گستاؤلی، تمدن عرب (ترجمہ) سید علی بلگرامی، ص 306۔

[75] ۔ خاں، سید احمد، آثار الصنادید (مرتبہ) خلیق انجم، جلد اوّل، ص57۔

[76] ۔ ایضاً۔

[77] ۔ ایضاً، ص57۔58 مزید تفصیلات کے لیے دیکھیے: Michel,George,Architecture of the Islamic world,London:Published by Thames and Hudson,pg 112-175

[78] ۔ بان، گستاؤلی، تمدن عرب (ترجمہ) سید علی بلگرامی، ص298۔

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.